اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

جولائی 2016ء

قندیل ادب

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

07886304637 & 02089449385

rana_razzaq@hotmail.com

پروین شاکر

عکسِ خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

کانپ اُٹھتی ہوں میں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی

جس طرح میرے خواب ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح ٹوٹ کے کبھی بھی نہ بکھرے کوئی

میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس اُمید پر دروازے سے جھانکے کوئی

کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دِل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں ، آئے کوئی

www.qindeel-e-adub.com

ماہنامہ قندیل اَدب اِنٹرنیشنل لندن

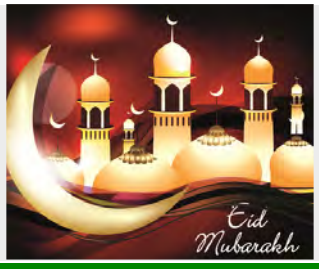

مدیر:
رانا عبدالرزاق خان

شمارہ نمبر:43 جولائی 2016ء

فہرست

نامے جو میرے نام آتے ہیں	ادارہ	2
حمد: ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ۔ غزلیات: رشید قیصرانی، عبدالکریم قدسی، فرحت عباس شاہ، صابر ظفر، جمیل الرحمن، مبارک عابد، مبارک صدیقی، عاصی صحرائی، طفیل عامر، طارق احمد مرزا، پروفیسر محمد ہادی مونس، عبدالجلیل عباد، عذرا ناز، شائق نصیر پوری، عبدالقدیر کوکب، انور ندیم علوی، نگہت افتخار، احمد منیب، آدم چغتائی برمنگھم، نورالجمیل نجمی، ساجد محمود رانا، حسیب احمد ظفر، نعت: ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ، غزل: عطاء المجیب راشد، ڈاکٹر رضیہ اسمٰعیل صاحبہ، طارق احمد مرزا، تسلیم الٰہی زُلفی، عامر حسنی، اَرشاد عرشی ملک		8-2
چھوٹے لوگ اور چھوٹے کام	رانا عبدالرزاق خان	9
عذاب آئے تھے ایسے گھر میں کہ پھر نہ گھر سے گئے	مقصود احمد منیب ایم۔اے	10
مشاعرہ ایک شام طفیل عامر کے نام	عاصی صحرائی	11
ہمارے لیڈر	رانا عبدالرزاق خان	12
1946ء کے انتخابات قراردادِ مقاصد 1973 کا آئین...	قیوم نظامی	13
بیماری ایک نعمت!	امجد مرزا امجد	14
موازنہ ادیان کا بانی۔ابوریحان البیرونی	زکریا ورک کینیڈا	15
عزت	امجد مرزا امجد	20
ڈاکٹر مستفیض اَحد عارفی امتزاجی اسلوب کا توانا شاعر۔	منصور خوشتر	23
علامہ محمد اقبال کی ظرافت	زکریا ورک کینیڈا	26
امجد مرزا امجد کے چالیس افسانے	محسنہ جیلانی (لندن)	27
تسلیم الٰہی زلفی۔ سوانحی، شخصی، تخلیقی اور اعزازی امتیازات	ادارہ	28
ہمارے ممبران ایوان بالا وزیریں	رانا عبدالرزاق خان۔لندن	30
حاصل مطالعہ	مکرم پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب	31
جستہ جستہ	رانا عبدالرزاق خان	33
محترم راجہ غالب احمد صاحب وفات پا گئے		34
غالب خستہ کے بغیر۔	ڈاکٹر پرویز پروازی	35

مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت، خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

نگرانِ اعلیٰ	:	خان بشیر احمد خان رفیق لندن
مدیر	:	رانا عبدالرزاق خاں
معاون مدیر	:	سید حسن خان
مدیر خصوصی	:	سہیل لون
ڈیزائنر	:	کرشن احمد۔انڈیا
مینجنگ ڈائریکٹر	:	عاصی صحرائی
فوٹوگرافی	:	قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر
آڈیو وڈیو	:	محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یوکے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

گزارش

ہم سب اہل علم احباب کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب تمام ممالک جہاں اسے قارئین موجود ہیں تقریباً دو لاکھ قارئین تک جاتا ہے اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ ہم نادر اور نئی تخلیقات کو اس میگزین میں جگہ دیں۔ اور ہر بھیجنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں، اور اس میگزین کا معیار بھی عوامی کریں۔ ہر ادیب و شاعر، نقاد، افسانہ نگار، اُردو کے خدمتگار کی عزت افزائی کریں۔ ہمیں کوئی صلہ مقصود نہیں۔ اگر آپ نے کوئی کتاب لکھی ہے تو اس کا نام اور تعارف لکھ بھیجیں۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تا کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ۔

رانا عبدالرزاق خاں

نامے جو میرے نام آتے ہیں

۱۔لندن سے محترمہ زبیدہ بشیر قاضی صاحبہ لکھتی ہیں:

آپ کا میگزین قندیل ادب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔بہت ہی خوبصورت اور خوشنما ہے ایک خوشرنگ گلدستہ ہے۔بہت سے رنگوں کا امتزاج ہے۔بہت ہی اچھی شاعری اور نثر درج ہے۔پرانے اور نئے شعراء کا کلام دیارِ غیر میں پڑھنے کو ملا، جو کہ ایک نعمت سے کم نہیں۔کئی ممالک سے لکھاریوں کا شامل ہونا بھی حیران کُن ہے ،مذہبی تعصب سے پاک یہ میگزین اردو ادب کی ترویج کی ایک شمع ہے۔میں اور میرا خاوند اور میرے بچے اسے پڑھ کر بہت ہی محظوظ ہوتے ہیں میری طرف سے اس رسالے کی ترقی کے لئے بیس پونڈ وصول کریں اور دعا ہے کہ یہ رسالہ نئی نسل اور اردو ادب کے لئے یوں کوشاں رہے۔آمین۔

۲۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب صاحب رقم طراز ہیں:

محترم رانا عبدالرزاق خان السلام وعلیکم

آپ کا میگزین قندیل ادب ماہ جون پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔اس قدر بے لوث محنت اور لگن میرے تصور سے بھی بالا ہے۔اس دورِ مادّیت میں خدمتِ ادب مثالی اور عجیب ہے۔ رسالے کی ڈیزائننگ اور ہر شاعر اور نثر نگار کی تصویر تلاش بسیار کے بعد لگا دینا کارِ آسان نیست۔ہر میگزین کا ٹائیٹل ہر ماہ مختلف ہونا، اور بروقت ہر ماہ کی یکم تاریخ کو رسالے کی قارئین تک رسد انتہائی کمال کی کاوش ہے۔پھر مضامین میں جدت اور تنوع اپنی مثال آپ ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

۳۔جناب محمد طفیل عامر سندھو صاحب تحریر کرتے ہیں۔

محترم رانا عبدالرزاق خان السلام وعلیکم۔

قندیل ادب ماہ جون پڑھ کر آپ کی کاوش کا ادراک ہوا۔جس کا احاطہ کرنا میرے بس کی بات نہیں۔آپ نامعلوم اپنی اسقدر مصروفیات سے کیسے وقت نکال پاتے ہیں کہ آپ کا ہر ماہ مشاعروں کا انعقاد، ان کی نظامت، سامعین سے رابطے، مشاعروں کی کاروائی اخبارات کی زینت بنانا، اور ہفتہ وار گوشہ ادب بھی لکھنا، ہر ہفتہ ایک سیاسی اور حالاتِ حاضرہ پر کالم لکھنا، پھر قندیل اَدب بھی ہر ماہ کا تیار کرنا، اور پھر اپنی کمیونٹی ورک میں بھی بھرپور حصہ لینا، ای میلز، فیس بک پر، واٹس ایپس پر بھی احباب سے منسلک رہنا، باقی اخبارات میں بھی مضامین ارسال کرنا، یہ مجھے اللہ تعالیٰ کا فضل معلوم ہوتا ہے۔میری دعا ہے کہ یہ قافلہ یوں ہی رواں دواں رہے۔اور یہ قندیل اسی طرح کاروانِ ادب کی راہنما بنی رہے۔خدا تعالیٰ آپ کو صحت سلامتی والی، فعال اور طویل عمر سے عطا کرے۔آمین۔

امۃ الباری ناصر

ربّنا جو بھول ہو خطا کریں، تو بخش دے
ربّنا جو سہو ہو گنہ کریں، تو بخش دے
تو لغزشوں کو ڈھانپ دے، مولا مؤاخذہ نہ کر
رَبّنا نہ ہم پہ پہلوں کی طرح کا بوجھ ڈال
نہ جس کی تاب لا سکیں، تو ہم سے ایسا بوجھ ٹال
تو ہم کو خود سنبھال لے، مولا مؤاخذہ نہ کر
رَبّنا ترے رحم کی وسعت ہے کائنات پر
رحیمیت کا واسطہ، میری حقیر ذات پر
رحمت کی چادر ڈال دے، مولا مؤاخذہ نہ کر
رواں رواں مصیبتوں میں تجھ کو ہے پکارتا
تیری طرف ہے ہاتھ اُمید و آس کا اُٹھا ہوا
تو میرا ہاتھ تھام لے، مولا مؤاخذہ نہ کر
یہ غم ہے حرزِ جاں بنا، کیا زادِ راہ ساتھ لوں
اب شام گہری ہو گئی، مفلس ہوں خالی ہاتھ ہوں
تو بے حساب بخش دے، مولا مؤاخذہ نہ کر
طویل اور کٹھن بہت ہیں، ہم و غم کے سلسلے
فقط تمہارے فضل سے، ملے تو مخلصی ملے
منگتی کا اک سوال ہے، مولا مؤاخذہ نہ کر

قندیل ادب انٹرنیشنل کی جانب سے قارئین کو عید الفطر کی مبارکباد

غـــزل

حمد- ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

جہاں جہاں گئی نظر، وہاں وہاں مِلا ہے تُو
ہر ایک جا، ہر اک نگر، جو دیکھئے خدا ہے تُو
ہیں رنگ و نور چار سُو، ترا وجود کُو بکُو
چمن چمن، دمن دمن، جمالِ دل ربا ہے تُو
کہیں ہے تُو بلالؓ میں، کہیں کسی جمال میں
نہ ہو کسی کا گر کوئی، اسے بھی پالتا ہے تُو
یہ زندگی کی رونقیں ترے ہی دم سے گل فشاں
مرا نصیب ہے بلند، میرا آشنا ہے تُو
ہر ایک بحر و بر میں تُو، وجودِ خیر و شر میں تُو
ہر ایک سمت جلوہ گر جہاں میں اے خدا ہے تُو

غزل- رشید قیصرانی

جس وقت تجھے ذہن میں تصویر کروں ہوں
لگتا ہے جہاں بھر کو میں تسخیر کروں ہوں
سورج کو کبھی چاند کو زنجیر کروں ہوں
یوں بھی تجھے ملنے کی تدبیر کروں ہوں
پوچھو ہو مرا کارِ سخن شہرِ سخن میں
بس یہ کہ تجھے لفظ میں تصویر کروں ہوں
ہر سانس میں ہوتی ہے ترے جسم کی خوشبو
جب ذکر ترا اے میرے دلگیر کروں ہوں
آ دیکھ قرینے میرے خطاطِ قلم کے
ہر سمت فضا میں تجھے تحریر کروں ہوں

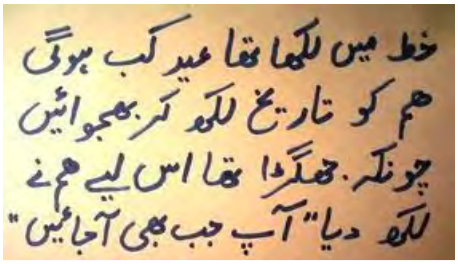

غزل- عبدالکریم قدسی

حق و باطل کا بپا ہے معرکہ
یہ زمیں ہوئی ہے جیسے کربلا
کوفیوں اور شامیوں کے درمیاں
خیمہ زَن ہے مختصر سا قافلہ
بچے بوڑھے نوجواں ہیں خیمہ زَن
خوف تک جن کو نہیں ہے جحوف کا
شمر کو شبیر کا اب بھی ہے خوف
کر نہیں سکتا وہ اب ن بھی سامنا
ان کے قبضے میں ہے آبِ فرات
پیاس کی دولت ہمارا حوصلہ
تو بخش ہمارے قدموں کو ثبات
تیرے در پر ہیں جھکے رب الوریٰ
نام قدسیؔ کا وفاداروں میں ہو
جب کبھی ہو صادقوں کا تذکرہ
''صادق آن باشد کہ ایامِ بلا
مے گزارد با محبت با وفا''

غزل- فرحت عباس شاہ

کبھی سفر تو کبھی شام لے گیا مجھ سے
تمہارا درد کئی کام لے گیا مجھ سے
مجھے خبر نہ ہوئی اور زمانہ جاتے ہوئے
نظر بچا کے ترا نام لے گیا مجھ سے
اُسے زیادہ ضرورت تھی گھر بسانے کی
وہ آ کے میرے در و بام لے گیا مجھ سے
بس ایک لمحے کے سچ جھوٹ کے عوض فرحتؔ
تمام عمر کا الزام لے گیا مجھ سے

غزل- صابر ظفر

ہوا میں تیر چلاتی ہوئی جدید غزل
ستم سے آنکھ چراتی ہوئی جدید غزل
جو کھولتے چلیں جائیں تو پیار کے چھلکے
یہ دوسروں کو رُلاتی ہوئی جدید غزل
مبادا، دُکھ سے بغاوت پہ ہم اُتر آئیں
ہمارا دھیان بٹاتی ہوئی جدید غزل
عوام مرتے چلے جائیں اسے کیا پروا
قصیدے اپنے سناتی ہوئی جدید غزل
ملا ہے حکم کرو بند گریہ و زاری
ظفرؔ سنو ذرا گاتی ہوئی جدید غزل

غزل- جمیل الرحمن

اندر کی گونج ہے کبھی باہر کی گونج ہے
اس خامشی میں ایک اندر کی گونج ہے
ہے کائنات ایک مسلسل بہاؤ میں
اور آئینوں میں پھیلتے منظر کی گونج ہے
رُوئے زیاں پہ رنگ ہے گہرے ملال کا
تارِ نفس میں عرصہء محشر کی گونج ہے
میں جی رہا ہوں خود میں سمندر اُتار کے
یعنی مرا وجود سمندر کی گونج ہیا
اُس نے کہا کہ صاحبو القصہ یوں کہو
لوح طلسم شہر مقدر کی گونج ہے
کیسے کوئی صدائے دگر با ریاب ہو
ساری سماعتوں میں کسی ڈر کی گونج ہے
کوہِ ندا کی سمت بھی خاموش ہے جمیلؔ
جب تک فضا میں ایٹمی جوہر کی گونج ہے

غزل-مبارک عابد

یوں جگمگا سا ہے دل میں تیرے خیالوں کا
ہجوم جیسے ہو ساحل پہ خوش جمالوں کا
قصیدہ ہم نے بھی لکھا گلاب گالوں کا
رہا خیال نہ اپنے سفید بالوں کا
تمام رات یہ اب چاند تکتے رہتے ہیں
کچھ ایسا حال ہے تجھ سے بچھڑنے والوں کا
تو میری سوچ کے سب دائروں کا مرکز ہے
تو بادبان ہے میرے سبھی حوالوں کا
میرے نصاب کا ہر باب تجھ سے تابندہ
تو اک جواب ہے میرے سبھی سوالوں کا
تمہاری یاد کی ہیں سب موم بتیاں یا پھر
ہمارے ساتھ اُجالا ترے خیالوں کا
میں باکمال ہوں عابدؔ کہ اس کو چاہتا ہوں
جو شہر یار ہے دنیا کے باکمالوں کا

غزل-مبارک صدیقی

دامن تہی اُداس تھا، کہتا میں کیا غزل
پلکوں سے ڈھل رہی تھی کوئی جھلملا غزل
دشتِ سخن سے آج ہی لوٹا ہوں جاں بلب
جام و سبو کو چھوڑ دے، ساقی سُنا غزل
میں حرف حرف مانگتا پھرتا تھا اور پھر
اِک شخص میرے سامنے تھا سر تا پا غزل
دیکھا اُسے تو دور تک جلنے لگے چراغ
سوچا اُسے تو نور میں آئی نہا غزل
وہ روشنی تھی چار سُو کہ دل تھا زَرق بَرق
وہ حُسنِ یار تھا کہ گئی جگمگا غزل
اے حُسن ِ بے پناہ مجھے چھوڑ کے نہ جا
تُو نہ رہا تو کون سی محفل ہے، کیا غزل
عاشق ہے وہ جو یار کی چوکھٹ سے نہ اُٹھے
دلبر، جو اِک نگاہ سے کردے عطا غزل
جاتا تھا کوئے یار کو، اِک شخص با وضو
لکھتا تھا حُسنِ یار پہ کرکے دُعا غزل

غزل-عاصی صحرائی

زندگانی کے شجر کو با ثمر اُس نے کیا
اور اُس کی چھاؤں کو بھی معتبر اُس نے کیا
تنکوں سے کاٹی گئی ہیں بجلیوں کی شوخیاں
شاخساروں کو برق سے باخبر اُس نے کیا
روتے ہیں خلوت میں کانٹے اب جگر کو تھام کر
بادِ صَرصَر سے جو کند، کانٹوں کا سَر اُس نے کیا
رُک رہی ہے رُعب سے اب اہلِ نخوت کی آواز
غیظ میں نمرود کو جب بے شجر اُس نے کیا
گہر ہائے علم عاصیؔ بس اُسی کی دین ہیں
حرف کو تقدیس سے ہی معتبر اُس نے کیا

غزل-طفیل عامر

سُرخ گلاب ہمارے لکھنا
دلِ بے تاب ہمارے لکھنا
کل کلاں گر لکھنا چاہو
تو پھر خواب ہمارے لکھنا
بھوک پیاس سے مرگئے پھر ہم
تم عذاب ہمارے لکھنا
سب نقصان ہمارے ہو گئے
!سب سیلاب ہمارے لکھنا
محضر نامہ آئے تو
پھر جواب ہمارے لکھنا
آنسو کم پڑ جاتے ہیں
نام چناب ہمارے لکھنا
گو کہ وہ نہیں ہیں اپنے
آپ جناب ہمارے لکھنا
پڑھنے والے کچھ تو جانیں
ایک دو باب ہمارے لکھنا
آج نہیں ہیں کیوں وہ عامرؔ
ہم رکاب ہمارے لکھنا

غزل-طارق احمد مرزا

واقف نِور ہو گئے ہم بھی
شعلۂ طور ہو گئے ہم بھی
جو ہے نزدیک تر رگِ جاں سے
اس میں مستور ہو گئے ہم بھی
من و تو میں رہا نہ فرق کوئی
مثلِ منصورؔ ہو گئے ہم بھی
عشق نے داستان جو بھی لکھی
اس میں مذکور ہوگئے ہم بھی
معنون ہم سے ہیں کئی قانون
ایک دستور ہو گئے ہم بھی
چشمِ ساقی تھی اس قدر مخمور
دیکھ مسحور ہو گئے ہم بھی
ہیں فقط اُس کے رنگ میں رنگیں
نہ کہ مغرور ہو گئے ہم بھی
اُس نے پوچھا مجھ ہی سے میرا پتہ
کتنا مشہور ہو گئے ہم بھی
اُس کو ملنے کا شوق تھا بیحد
اور مجبور ہو گئے ہم بھی
رُوبرو ہو کے وہ بھی کھل اٹھا
اور مسرور ہو گئے ہم بھی
اُس کے دل کا بھی بوجھ ہلکا ہوا
اور بھرپور ہو گئے ہم بھی
اُس کو محبوب اُس کی خلوت تھی
سوچ کر دُور ہو گئے ہم بھی
ظلم سہتے ہیں آہ نہیں بھرتے
اتنا معذور ہو گئے ہم بھی

کر دیا رازِ عشق سب پہ عیاں
بس کہ مجبور ہوگئے ہم بھی
موت آئی تو چپ رہی طارقؔ
شرم سے چُور ہوگئے ہم بھی

غزل۔ پروفیسر محمد ہادی مونس

شکر ہے کہ چھا گئی ہے روشنی
زندگی ایسی کبھی چمکی نہ تھی
ڈھل گیا انسان کا بختِ سیاہ
نور کی کرنوں کی جب بارش ہوئی
ضو فشاں ہر خطۂ ارض و سماء
ان پہ تھی مدت سے چھائی تیرگی
گر نہیں ہے عجز تو بیکار ہے
بارگاہِ ایزدی میں بندگی
ہو گئی تاریخ اس راہ کی رقن
جس طرف تقدیر ہم کو لے چلی
منتظر ہیں تشنہ لب اُن کو پلا
ساقیاء آبِ بقائے زندگی
اس کے مونسؔ ہم بڑے ممنون ہیں
جس نے گمراہوں کو بخشی آگہی

غزل۔ عبدالجلیل عباد

تمہارے خواب وہ سارے سراب کر دے گا
اسی زمیں پہ ہی اُن کا حساب کر دے گا
نکال پھینکو یہ بُت کدہ دل و جاں سے
تمہارے بیچ کا رشتہ خراب کر دے گا
تم اُس کی سمت میں آنے کا عزم جو کرلو
تمہارے قدموں کو وہ تو ثواب کر دے گا
تم اُس کے عشق میں دل کو ڈبو کے دیکھو تو
تمہارا جسم کیا رُوح بھی شراب کر دے گا
تم اپنا مال اُسے دے کے تجربہ کرلو
تمہیں غریب سے وہ اِک نواب کر دے گا
تمہاری آنکھ کا دریا کبھی جو بہہ نکلا
خزاں کے سارے ہی موسم شاداب کر دے گا
فرعون با ز نہ آئے اگر یہ ظلموں سے
تو اُن کا جینا کیا مرنا عذاب کر دے گا

غزل۔ عذرا ناز

مجھے لگتا ہے اک پل بھی تمہارے بن سزا جیسے
تم آتے ہو تو ہو جاتا ہے آسرا جیسے
تمہاری زندگی میں اب ہماری حیثیت کیا ہے
پرانے طاق میں رکھا ہوا کوئی دیا جیسے
سماعت دیتی رہتی ہے مجھے تنہائی میں دھوکا
مجھے اکثر لگا کہ تم نے کچھ مجھ سے کہا جیسے
یقیں مجھ کو نہیں اس کا مگر اکثر یہ لگتا ہے
کہ پیچھا کر رہی ہو میرا کوئی بدعا جیسے
گو تم ہم میں نہیں باقی مگر لگتا ہے ماں مجھ کو
ہر اک نعمت تمہاری ہی دعا کی ہو عطا جیسے
شبِ تنہائی میں یادیں تری یوں جگمگاتی ہیں
ہتھیلی پر مری رکھا ہوا ک دیا ہو جیسے
ہم ایسے زندگی کی راہ میں بھٹک گئے عذراؔ
پرائے شہر میں کوئی مسافر بے نوا جیسے

غزل۔ شائق نصیر پوری

آنے کا وعدہ تھا وعدہ نبھا کر تو دیکھتا
ہمیں انتظار تھا کتنا وہ آ کر تو دیکھتا
سنگدل کہہ کے اُس نے نظر انداز کر دیا
ہم پتھر تھے کہ موم گلے لگا کر تو دیکھتا
کچے گھڑے کا چننا اس کی اپنی بھول تھی
کاش وہ مجھ کو ٹھوک بجا کر تو دیکھتا
میری بے قراریوں پر نہ مسکراتا وہ اس طرح
دل وہ درد کسی کا چھپا کر تو دیکھتا
مجھے اقرار کہ بات معمولی سی تو تھی
گر میں رُوٹھ گیا تھا وہ منا کر تو دیکھتا
نبض چل نہ پڑتی جو چھو لیتے قبر کو
میں اُٹھ کر چل نہ پڑتا وہ آ کر تو دیکھتا

غزل۔ عبدالقدیر کوکب

پیار سے میں سلام دیتا ہوں
اپنے دل کا پیام دیتا ہوں
ساری دنیا ہے اک طرف لیکن
تجھ کو اُونچا مقام دیتا ہوں
دل تو چاہے رہوں میں قدموں میں
خط میں اپنا پیام دیتا ہوں
تو سلامت رہے ہمیشہ ہی
یہ دعا صبح و شام دیتا ہوں
تیری چاہت میں ہے چمک سب کی
اس کو تیرا ہی نام دیتا ہوں

غزل۔ انور ندیم علوی

اک نیا فرمان جاری ہو گیا سلطان کا
امتحان مقصود ہے شاید مرے ایمان کا
حوصلہ دیکھا عجب اس حضرتِ انسان کا
بھول جاتا ہے فسانہ جان کر ہامان کا
غرق دریا ہو گیا تھا یاد کر فرعون کو
باعث عبرت بنا اقرار بھی ایمان کا
اُس طرف ترمیم، طاقت، ضابطے ہیں جبر کے
بڑھ گیا درجہ ادھر ایمان کا، ایقان کا
ہم اندھیری رات میں ہیں روشنی کے وہ چراغ
خوف آندھی کا جنہیں، ڈر بھی نہیں طوفان کا
کٹ تو سکتا ہے مگر یہ سر جھکا ہے کب ندیمؔ!
جان تو جانی ہے اک دن خوف پھر کیا جان کا

غزل-نکہت افتخار

ختم نہیں ہوتا سلسلہ خیالوں کا
ذہن کس طرح روکے سلسلہ خیالوں کا
خواب بن کے سوتے میں کیوں ستانے آتے ہو
کیسے بڑھ گیا اتنا حوصلہ خیالوں کا
روز بٹتی رہتی ہوں زندگی کا دھاگہ یوں
اک سرا حقیقت کا اک سرا خیالوں کا
زندگی کی راہوں میں ساتھ ساتھ میرے
کم اگر نہیں ہوتا فاصلہ خیالوں کا
ہم ضمیر کی آواز کو دبائے پھرتے ہیں
اور سناتے پھرتے ہیں فیصلہ خیالوں کا
اس کے سارے لفظوں میں چاشنی گھلی سی ہے
گفتگو میں رہتا ہے ذائقہ خیالوں کا
زندگی اجیرن تھی اور اب ہوئی مشکل
خواب میں نے دیکھے کیوں ہو برا خیالوں کا
رُوح پر جو وارد ہو اس کی ترجمانی کر
شاعری نہیں نکہتؔ مشغلہ خیالوں کا

غزل-احمد منیب

کہیں سائے تھے کچھ پھیلے ہوئے سے
کہیں سورج بدن دہکے ہوئے سے
کھڑے تھے دھوپ کے سائے میں تھک کر
بدن ہر دل کے تھے دُکھے ہوئے سے
معطر ہو گئیں ساری فضائیں
ہمارے زخم تھے مہکے ہوئے سے
ضروری ہو گئی تھی گفتگو بھی
دلوں کے ربط تھے ٹوٹے ہوئے سے
دل و جاں کو رسلی کیسے دیتے
زمیں کے سانس تھے اُکھڑے ہوئے سے
بھنور میں دیدہو دل پھنس گئے تھے
تو کچھ پتوار تھے بکھرے ہوئے سے
جو ہم چلنے لگے تو یاد آیا
ہمارے پیر تھے ٹوٹے ہوئے سے
زمانہ ہم سیکچھ تو مانگتا تھا
زمانے بھر پہ تھے چھائے ہوئے سے

غزل-آدم چغتائی برمنگھم

عشق میں ہم سے ہی وفا نہ ہوئی
زندگی درد سے جدا نہ ہوئی
چارہ گر شہر میں ہزاروں ہیں
میرے ہی درد کی دوا نہ ہوئی
لوگ کہتے ہیں مجھ کو دیوانہ
مجھ سے وارفتگی جُدا نہ ہوئی
تیرے قرباں اے وصالِ صنم
دلِ بیمار کو شفا نہ ہوئی
عمر جاوید مانگنے والو
زندگی کو کبھی بقا نہ ہوئی
اُن سے ملنے کی آرزو ہے ہمیں
جانے مقبول یہ دعا نہ ہوئی
ایسی جنت کو کیا کرے آدمؔ
جس میں شامل وہ خوش ادا نہ ہوئی

غزل-نورالجمیل نجمی

تمہارے نور سے سرشار مستانی ہوائیں ہیں
یہ کلیاں ہیں کہ شاخوں پہ تشکر کی دعائیں ہیں
تمہارے حسن کی ضو سے اُجالے جاگ جاتے ہیں
تمہاری اک تجلی سے اندھیرے بھاگ جاتے ہیں
تمہارے نام پہ رقصاں ہزاروں کہکشائیں ہیں
تمہارے پیار کی ادنیٰ جھلک ہم سب کی مائیں ہیں
تمہارا ذکر ایسا ہے دلوں کو چین دیتا ہے
تمہارا اسم اعظم رحمتیں دن رین دیتا ہے
خوشا وہ دل جو تیری راہ میں دھڑکن بچھاتا ہے
زہے قسمت وہ چشم نم کہ جس میں تو سماتا ہے

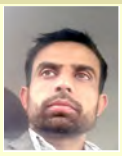

غزل-ساجد محمود رانا

دیکھ لی زندگی بسر کر کے
اب ذرّہ دیکھ لیں سفر کر کے
میں تو اک راز تھا محبت کا
تونے چھوڑا جیسے خبر کر کے
رات دن کیا تلاش کرتا ہوں
ساری چیزیں ہیں اِدھر اُدھر کر کے
ان ستاروں کو یاد کرتا ہوں
چُھپ گئے رات سحر کر کے
آج چھپتا رہا ہوں ساجدؔ
میری وحشت کو دَر بدر کر کے

غزل-حسیب احمد ظفر

خوشبو سے لپٹ رہنا ہی محبت نہیں ہوتی
ہر بات میری محفل میں تیری بابت نہیں ہوتی
قاتل میرے خوابوں کے، تیرے شہر کے حاکم
اس شہر سے مگر ہم کو عداوت نہیں ہوتی
تو بھی تو کسی اور کا دیوانہ ہوا ہے
تیری میرے جیسی مگر حالت نہیں ہوتی
شکن شکن لہجے میں فسانہ تو وہی ہے
مگر آنکھوں میں پہلی سی بغاوت نہیں ہوتی
جسے خدا نے بنایا ہے اسے مانو تو مانو
جو انسان بناتا ہے وہ خلافت نہیں ہوتی

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

نعتؐ پاک

مدینے کو جاؤں، مدینے کو جاؤں
عقیدت کی ساری میں رسمیں نبھاؤں
میں جی بھر کے روؤں، میں آنسو پروؤں
میں حال اپنا رو رو کے اُن کو سناؤں
بڑھ بڑھ کے چوموں میں روضے کی جالی
یہ پلکیں جو بھیگی ہیں اُس پہ لگاؤں
سجدے کروں میں، نمازیں پڑھوں میں
اُنہی کو میں اپنی وفائیں دکھا ؤں
میرے سامنے بس ہوں روضے کے جلوے
اُنہی کے تصور کی میں محفل سجاؤں
میری فکر بھی میرا دین و دھرم بھی وہی
اُنہی کے عشق کو اپنی منزل بناؤں
مدینے میں ہی آئے مجھے وقتِ آخر
کہ میں روح کو اپنی وہیں چھوڑ آؤں
ہے شاھین نعتِ نبی ان لبوں پر
تقاضے ادب کے میں کیسے نبھاؤں

غزل- عطاء المجیب راشد

رضا تیری ہے جو مولیٰ بتا دے
مجھے اُس راہ پہ خود ہی چلا دے
کمر خم ہے مری بارِ گنہ سے
مرے اِس بوجھ کو تو ہی ہٹا دے
جو بَن پڑتا ہے مجھ سے کر رہا ہوں
مرے تھوڑے کو تُو زیادہ بنا دے
ہوں کب سے منتظر تیری ندا کا
نویدِ مغفرت مولیٰ سنا دے
وہ جن سے پوچھ گچھ ہو گی نہ کوئی
مقدر میرا بھی ایسا بنا دے

ترے لائق نہیں دامن میں کچھ بھی
کوئی قابل گہر، اپنی عطا دے
تھکا ہار مسافر ہے یہ راشدؔ
درِ جنت اسے خود ہی دکھا دے

غزل- ڈاکٹر رضیہ اسمٰعیل صاحبہ

اے کاش سرِ صحرا اِک پھول کھلا ہوتا
اس پھول کے پہلو میں اک دیپ جلا ہوتا
کچھ غم تو اندھیروں کا جھونکوں پہ کھلا ہوتا
اے کاش ہواؤں کے ہاتھوں میں دیا ہوتا
راتوں کا اندھیرا ہے،تنہائی ہے اور میں ہوں
ایسے میں کوئی جگنو پہلو سے لگا ہوتا
گھر ڈھونڈنے نکلے تھے ویرانے میں آپہنچے
اے کاش کہ رستوں میں ترا نام لکھا ہوتا
ہے جال اندھیروں کا جاؤں تو کدھر جاؤں
رستے میں ترے گھر کے اک دیپ جلا ہوتا
تو اور کہیں پر ہے میں اور کہیں پر ہوں
میں تجھ کو ملی ہوتی تو مجھ کو ملا ہوتا

بصد معذرت

طارق احمد مرزا۔(آسٹریلیا)

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار،میں چلّاؤں پانامہؔ !

☆☆☆

تا ہے ہر مکاں کو مکیں شرف اسدؔ
چوروں کا راز فاش، پانامہؔ اداس ہے

☆☆☆

بھانپ ہی لیں گے ”پانامہؔ“سرِ محفل جو کہا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

☆☆☆

قسمت کی خوبی دیکھیے نکلی کہاں پہ ”لِیک“
دو چار ہاتھ جب کہ پانامہؔ رہ گیا تھا

☆☆☆

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے ’پانامہؔ‘اور آپ فرمائیں گے ’کیا؟‘

☆☆☆

پانامہؔ سے اُبھرتے ہوئے سورج کی جبیں پر
مرقوم ترا نام ہے ،کچھ ہو کے رہے گا

☆☆☆

اُلجھا ہے پاؤں یار کا ’پانامہ لیکس‘ میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

☆☆☆

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئی
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پانامہؔ کے لئے

☆☆☆

ایک شیروانی،جناح کیپ ،پانامہؔ کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا !

☆☆☆

اُٹھو، وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو،زمانہ چال پانامہؔ کی چل گیا

☆☆☆

پانامہؔ بڑے شوق سے گِن رہا تھا
ہم ہی سو گئے بوریاں بھرتے بھرتے

☆☆☆

تیرے دیس پانامہؔ وِچوں
جیہڑی لنگھدی اے نہر کُڑے
اوہدے کنڈے لگے بھگیاڑ
مینوں اِک اِکُ شیر کُڑے

(طارق)

غزل- ارشاد عرشی ملک

ہاتھ میں ہمارے دُعا کا عصا اس دور کے ساحروں کے لئے
لے کے آئیں نئی رسیاں،سوٹیاں،ہے یہ پیغام جادو گراں کے لئے
شوق سے اپنے ڈھنڈورچی بھیج دو سارے افسوں گروں کو اکھٹا کرو
کیوں ہراساں ہوتم ہار سے اس قدر ، دن مقرر کرو فیصلوں کے لئے
یہ زمانہ ہے شداد نمرود کا، دھونس دھاندلی اور بارود کا
کوئی فرعون ہے کوئی ہامان ہے ،خوب موقعے ہیں غارت گروں کے لئے
صرف جُتّے عمامے ہیں مُلّاں کا دیں دل میں ذوقِ یقیں ہے نہ علم الیقیں
مسئلے بانٹتے اُن کو صدیاں ہوئیں ،حیف ہے ایسے سوداگروں کے لئے
جو غرورِ عبادت جبیں میں لئے،بندگانِ خدا سے نہ گُھل مل سکے
اُن کے سجدے یہیں خاک میں رہ گئے ،خاک باقی ہے پیشانیوں کے لئے
تیرہ باطن گریزاں رہے نور سے،وہ ہیں مانوس ظلمت کے دستور سے
شب گزیدہ کو کیا روشنی کی طلب، دن تو آفت ہے چمگادڑوں کے لئے
ہم موحد ہیں رسمی مقلد نہیں،خود گھڑے مقلدوں کے مقید نہیں
ہم کو جکڑو نہ رسموں کی زنجیر میں،یہ تو تنکے ہیں ہم سر پھروں کے لئے
بچ کر ہم نے خود کو خدا پالیا ،منزل گُم شدہ کا پتہ پا لیا
جھکنے والوں نے کیا سے کیا پالیا،رفعتیں وقف ہیں عاجزوں کے لئے
اپنے الفاظ کیا، اپنے جذبات کیا عرشیؔ بے نوا تیری اوقات کیا
پھر بھی اپنی گواہی قلم بند کرو، آنے والے نئے منصفوں کے لئے

چہل حدیث- مرسلہ: رانا عبدالرزاق خان لندن

(1)لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ (مسند احمد عن ابن عباس)
ترجمہ: سنی سنائی بات دیکھنے کی طرح نہیں۔
(2)اَلْحَرْبُ خُدْعَة" (بخاری عن ابی ھریرۃ)
ترجمہ: جنگ داؤ پیچ کا نام ہے۔
(3)اَلْمُسْلِمُ مِرَاۃُ الْمُسْلِمِ (ابن منیع عن ابی ھریرۃ)
ترجمہ: مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے۔
(4)اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَن" (ترمذی عن ابی ھریرۃ)
ترجمہ: جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔
(5)اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِه (ترمذی عن انس)

تسلیم الٰہی زُلفی کے منتخب اشعار

یہ روز و شب جو گزرتے ہیں بن ترے اے دوست!
جو تیرے ساتھ گزرتے تو کتنا اچھا تھا
آمل کے گلے کوچۂ ہستی سے نکل جائیں
اس راہ میں سنسار کی دیوار نہیں ہے
وہ میرا ساتھ نبھاتا، بھلا کب تک
سراب دیکھ کے جینے کا حوصلہ کب تک
یہ کون رات گئے یاد آرہا ہے مجھے
مرے وجود کا شعلہ جلا رہا ہے مجھے
ترے بغیر کسی چیز کی کمی تو نہیں
یہ اور بات طبیعت اُداس رہتی ہے
مرے وجود کے جوہر کسی پہ کیا کھلتے
ہر ایک شخص نے تنقید کی نظر ڈالی
وہ موم بن کے رہا، اور پگھل گیا آخر
میں سخت جان تھا پتھر میں ڈھل گیا آخر

غزل- عامرؔ حسنی

ہم جلد ملیں گے اے پیارو بس دیر ہے چند ہی برسوں کی
تم دیکھنا اک دن ٹھنڈی ہوں گی آنکھیں دید کے ترسوں کی
پہچانو گے اس پیار کو جو اس دل میں ہردم بہتا ہے
اس دل نے کیا کیا درد سہے خاطر ان دید کے ترسوں کی
آنکھوں میں کاٹا ہر لمحہ اور جانے کیا کیا خواب بُنے
اللہ سے کیا کیا عرض کیا خاطر ان دید کے ترسوں کی
دل کے ٹکڑوں کو زخم دیا کیوں سات سمندر پار گئے
کیا جانو ہجر بھی کاٹا ہے خاطر ان دید کے ترسوں کی
اب موجِ صبا کو چلنے دو اور کلیوں کو بھی کھلنے دو
تصویرِ خزاں اب بدلو نا خاطر ان دید کے ترسوں کی
گرچہ کچھ شکوے ہیں دل میں کچھ کچے دھاگے ٹوٹے بھی
پر دل تو آخر دل ہے نا دھڑکن ہے دید کے ترسوں کی
عامرؔ افکار میں مت ڈوبو پتوار سنبھالو کشتی کے
یاں پیت سمندر بہتے ہیں خاطر ان دید کے ترسوں کی

چھوٹے لوگ اور چھوٹے کام

رانا عبدالرزاق خان

وقت بدل چکا ہے۔اصل میں اخلاقیات کا معیار بدل چکا ہے۔ایک وقت تھا کہ منصف اور متقی انسان کی قدر کی جاتی تھی۔ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ اُس نے کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں، کیسا اُس کا مکان ورہائش ہے۔کیسی اُس کے پاس گاڑی یا سواری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔مگر اب تو پیمانہ ہی بدل چکا ہے۔ ہر کوئی چاندی کی چمک کے آگے ماند پڑ جاتا ہے۔نہ اُن سے سچی بات نکلتی ہے اور نہ ظلم کے خلاف ایک لفظ نکلتا ہے۔کیونکہ اپنے اسلاف کو بھول چکے ہیں، اپنے دین کو، اپنے ایمان کو اپنی اقدار کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں۔اقوام افراد سے تعمیر ہوتی ہیں۔اخلاق صرف اعمال ہی سے اپنی جگہ بناتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔اب تو رنگا رنگ کے فلسفی اپنے فلسفے بگھار رہے ہیں، ہر کسی نے اپنی الگ دکان بنا رکھی ہے۔اور ساری دنیا کو ورغلانے کی سرتوڑ کوشش جاری ہے۔ہوسِ زر پرستی نے انسان کو مغلوب کرلیا ہے، کہیں حسن پرستی سے انسان مرعوب نظر آتا ہے، انسان اپنی پیدائش کے مقاصد سے یکسر نابلد ہو چکا ہے۔نہ اسے انسانیت اور نہ آدمیت کے مقام کا پتہ ہے۔اس لئے انسان بھٹک چکا ہے۔اس کو راہِ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔تاریخ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے لوگوں نے بہت بہت بڑے کام کئے۔مگر اب اکیسویں صدی میں تو یہ سب کچھ اُلٹا ہو چکا ہے۔کسی کو بھی اپنے حسب ونسب یا خاندان کی بھی شرم نہیں۔قوائد وضوابط اور اخلاقی اقدار کی کوئی پرواہ نہیں۔میں کسی محنت کش، کمی، کمین، لوہار ترکھان، موچی نائی، جولاہے کا مخالف نہیں اگر ان محنت کش طبقے کو معاشرے سے الگ کردیا جائے۔تو باقی کچھ نہیں رہتا۔یہ لوگ تو کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔اور یہ تکنیکی اور ہنرمند افراد ملک ومعاشرے کے لئے خوشحالی وترقی کی ضمانت ہوتے ہیں۔کیا پاکستان کے ناکام سسٹم نے ایک لوہار کے بیٹے کو تین بار ملک کا وزیراعظم اور وزیراعلیٰ نہیں بنایا۔کیا اسی سسٹم نے ایک نائی کے بیٹے کو پانچ سال تک وزیر داخلہ نہیں بنائے رکھا، اور ایک سینما میں ٹکٹ بلیک کرنے والے کو صدر مملکت نہیں بنائے رکھا، کیا پاکستان کے سیاسی سسٹم نے نائن زیرو پر جھاڑو دینے والے کو کراچی کا میئر نہیں بنایا۔کیا پاکستان کے اسی جمہوری سسٹم نے سائیکل کو پنکچر لگانے والے چنن دین عرف بودی اُستاد کے بیٹے کو وزیر خزانہ نہیں بنایا، کیا پاکستان کے اسی جمہوری سسٹم نے اینٹوں کے بھٹے کے مالک، ملک عاشق اعوان کی بیٹی کو وزیر اطلاعات و نشریات نہیں بنائے رکھا، بات یہ ہے جب تاریخ کسی کو چھت پھاڑ کر کوئی منصب دیتی ہے تو اس انسان کے اندر کی قابلیت، سوچ، تربیت، سوچ، سامنے آتی ہے۔اُن کی باطنی سوچ، خوف خدا، مذہبی اقدار، اکابرین کا طرزِ عمل، اردگرد کا ماحول، اسے اپنے منصب سے عہدہ برآ ہونے کا سلیقہ بتاتا ہے۔

مگر یہ ہوسِ زر ہمارے غریب ممالک میں کچھ زیادہ ہی ہے۔یہاں برطانیہ یا مغرب میں کیا غرباء کے، محنت کشوں کے بچے اقتدار میں نہیں آتے۔مگر میں ان کے عدل اور قانون کی عملداری کو دیکھ کر انگشتِ بدنداں ہوں۔کہ یہ لوگ شراب اور زنا جیسی لعنت میں تو غرق ہیں، عریانی، فیشن اور دوسری برائیوں میں تو ملوث ہیں۔مگر ان کی اکثریت جھوٹ، چوری، جیسی لعنت سے نابلد ہے۔کسی پر بدظنی نہیں کرتے، کسی کے حقوق کو غصب کرنے کی عادت نہیں، جانوروں کے حقوق کی بھی نگہداشت ہے۔انسانی ہمدردی اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے پُتلے ہیں۔بس اور ریل میں سوار ہوں تو بوڑھوں، اپاہج اور عورتوں کے لئے سیٹ خالی کرنا ساری قوم اپنا اخلاقی حق سمجھتی ہے۔صفائی کا خیال رکھنا ان کی عادت ہے۔ظلم اور بے انصافی سے ساری قوم باز رہتی ہے۔ایک دوسرے کے درد میں بخوشی شریک ہوتے ہیں۔ٹریفک قوانین کی پوری پابندی کرتے ہیں، کم وزن نہیں تولتے۔ جو پیکٹ پر لکھا ہو وہ درست ہوتا ہے، بوڑھوں اور معذوروں کے لئے سب سہولیات حکومت فراہم کرتی ہے۔بے روزگار کو ماہانہ مشاہرہ ملتا ہے۔اور پھر اسے جاب سنٹرز کام تلاش کرکے دیتے ہیں۔صحت اور تعلیم میٹرک تک بلکہ ایف اے تک مفت ہے یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے معمولی سود پر قرضہ طلباء کا حق ہے۔اس قدر نظام امن سے چل رہا ہے کہ رات کے بارہ بجے بھی کوئی جوان لڑکی بھی مختصر لباس میں اکیلی پیدل جارہی ہو تو اسے کوئی ڈر نہیں ہوتا، کیونکہ تین منٹ میں (فون کال پر) پولیس ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ ہر کمانے والا ٹیکس دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔یہاں کی سڑکیں باغات، پل، گیس، بجلی پانی سب کچھ ٹھیک ہے۔ یہاں کبھی بھی کسی الیکشن میں دھاندلی کا الزام نہیں سنا گیا، کسی گورے کو کسی کالے پر برتری نہیں، قانون سب کے لئے ایک جیسا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے نام نہاد اسلامی ممالک کا ہی جائزہ لیں۔بشمول پاکستان۔استغفار منہ سے نکلتا ہے۔اشرافیہ ڈاکو بن چکی ہے، غریب پس رہا ہے، ظالم کا ظلم بڑھ رہا ہے۔عدل فاروقی کے دعوے کرنے والے باریش غاصبوں نے کس طرح اسلام کو بدنام کردیا ہے۔ان کے کالے کرتوتوں نے سارے عالم میں اسلام کو اور انسانیت کو بدنام کرکے رکھ دیا ہے۔ہمارے ملک میں کیا کچھ خالص ہے، کیسا عدل و انصاف ہے، غیرت کے نام پر قاروقاری، قتل وغارت وہ بے غیرت بھی کررہے ہیں جو خود زنخے ہیں۔الف سے لے کری تک خودفرضی دین بنا رکھے ہیں۔قبر پرستی، پیر پرستی، شہوت پرستی، زر پرستی، شاہ پرستی نے ایمان سلب کر لئے ہیں۔علمائے سو، اکابرین، اشرافیہ، مڈل کلاس ملک کا جنازہ نکلتے ہوئے خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔فوج میں کونسے فرشتے ہیں۔اسی شکست خوردہ قوم کے افراد ہیں۔جس نے ہندو کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔اب تو پانامہ لیکس نے ساری قوم کے ڈاکوؤں کا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔ان سب کو ایک قطار میں کھڑے کرکے امام خمینی کی طرح گولی مار دینی چاہیئے۔میرے وطن میں تطہیر کی ضرورت ہے۔بے غیرتی بڑھ رہی ہے۔انسانیت ختم ہورہی ہے۔تربیت اور سختی کی ضرورت ہے۔قانون کی بالادستی کی ضرورت ہے۔ستر سال سے ملک لوٹا جارہا ہے۔کوئی مردِ مجاہد نہیں جاگ رہا، جب بھی خبریں ٹی وی پر سنتے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اے اللہ تو میرے ملک کو ان غاصبوں سے بچا۔آمین۔

عذاب آئے تھے ایسے گھر میں کہ پھر نہ گھر سے گئے

مقصود احمد منیبؔ ایم۔اے

اللہ تعالیٰ جو کسی پر اپنی پکڑ کرنے کے لحاظ سے بہت دھیما ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ نُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ کہ ہم ظلم وستم گری کا بازار گرم کرنے والوں کو مہلت ضرور دیا کرتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ ایک وقت تک کی یہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو پھر میری پکڑ بہت سخت ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس وقت پکڑ کر لیا کرتا ہے جب قومیں انتہا پسندی کو چھوتی ہیں یا ان کے افراد ظلم وستم گری کا بازار ایک دوسرے پر گرم کر دیتے ہیں، جب انسانی اقدار کی پامالی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، جب ایک دوسرے کی عزت وآبرو ایک دوسرے سے محفوظ نہیں رہتی، جب مسلمان کہلانے والے ایک دوسرے کی جان کے درپے آزار ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کی عزت کو سرِ عام نیلام کیا جاتا اور اُچھالا جاتا ہے اور ایک دوسرے کی املاک پر ناجائز قبضے روا رکھے جاتے ہیں ، جب طاقت ور کمزوروں پر اپنا حق جتاتے ہوئے ناجائز طور پر غریبوں اور کمزوروں کا استیصال کرتے ہیں، جب مذہب کے نام پر ایک دوسرے کے لیے مقتل سجا دیا جاتا ہے، جب نہتے اور بے بس معصوم لوگوں کا خون بہایا جاتا ہے، جب حکومت کرنے والے اپنی کمزوریوں کو دور کر کے عوام کی شکایات دور کرنے کی بجائے اپنی تھیلیاں بھرتے چلے جاتے ہیں، جب مسلمان اللہ تعالیٰ اور حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات کو نظر انداز کر کے ان کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں، جب اللہ کے برگزیدوں کے مزار بھی امن کی جگہ نہیں رہتے، جب اللہ کے گھر اور عبادت گاہیں بھی امن اور سکون اور شانتی کا گہوارہ نہیں رہتیں تو پھر اللہ تعالیٰ مہلت کا ہاتھ کھینچ کر ایسے لوگوں کو ایسے ایسے عذابوں میں مبتلا کر دیا کرتا ہے کہ ان پر کس مپرسی طاری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم تمہیں خوف کی حالت سے بھی آزمائیں گے، بھوک اور پیاس کی شدت سے بھی آزمائیں گے، جان مال اور پھلوں کی کمی کے ذریعہ سے بھی آزمائیں گے لیکن اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! تو ان لوگوں کو بشارت دے دے جو ہر قسم کے حالات میں صبر کا مظاہرہ کریں گے۔

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ حقیقی صبر کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ایسے لوگ جنہیں جب بھی کوئی مصیبت گھیرتی ہے تو وہ دعا اور نماز اور صبر واستقامت سے اللہ کے حضور جھکتے ہیں اور صدقِ دل سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جزا رکھی کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اب پاکستان کے موجودہ حالات پر جب غور کرتے ہیں تو ہر ایک طرف تباہی اور بربادی کے عفریت کا ڈیرہ ہے۔ کہیں پر مسلمان فرقہ واریت کا شکار ہو کر ایک دوسرے پر قہر برپا کر رہے ہیں تو کہیں پر اپنے مذموم سیاسی مقاصد کے لیے مجبور اور کمزور کو استعمال کر کے ایک دوسرے کی قیمتی جانوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ تو لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ہم سب کیا کر رہے ہیں؟ کیا یہ سب کرنے والے مسلمان ہیں؟

مجھے کراچی کے ایک معروف شاعر جناب عبیداللہ علیم کے وہ شعر یاد آ گئے:

میں یہ کس کے نام لکھوں جو الم گزر رہے ہیں
مرے شہر جل رہے ہیں مرے لوگ مر رہے ہیں
کوئی اَور تو نہیں ہے پسِ خنجر آزما
ہمیں قتل ہو رہے ہیں ہمیں قتل کر رہے ہیں

یہ عذاب الٰہی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے؟ تو اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جب مؤمنوں اور باغی اقوام پر ایک ہی طرح کے حالات آ جائیں یعنی مؤمنین قتل بھی کیے جا رہے ہوں، اُن کے اَموال بھی برباد کیے جا رہے ہوں، اُن کی عزتیں بھی پامال کی جا رہی ہوں، اُن کی جائدادوں پر ناجائز قبضے بھی کیے جا رہے ہوں، ان کی متاع بھی لوٹی جا رہی ہو، ان پر زندگی کا دائرہ تنگ کیا جا رہا ہو لیکن وہ صبر و رضا کے پیکر بنے اپنے رب کی طرف نظریں اٹھائے اسی کے در پر اپنی جبینیں جھکائے بیٹھے ہوں اور اس کے بالمقابل وہی حالات ظالموں پر طاری ہو جائیں تو ان دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ مؤمنین پر آنے والے حالات کو اسلامی اصطلاح میں ابتلا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ظالموں پر ایسے حالات آ جائیں تو ان کو عذابِ الٰہی قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے میں توبہ واستغفار کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کس طرح سمجھا جائے کہ ایسی حالت ابتلا ہے یا عذاب الٰہی؟ تو اس کے لیے جب ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتلا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ہر ایک ابتلا کے بعد قوم ترقی کیا کرتی ہے۔ اس کا نقشہ علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کھینچا ہے کہ:

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

اور عذاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی بیخ کنی کر دیا کرتا ہے اور ان کی طاقت کے نشے کو پارہ پارہ کر دیا کرتا ہے اور ان کو اس قابل نہیں چھوڑتا کہ وہ دوبارہ مظلوموں اور کمزوروں پر دست درازی کر سکیں اور مخلوق خدا کو تنگ کر سکیں اور اپنے ظلم وستم کی چکی میں سب کو پیسنے کی کوشش بھی کر سکیں۔

عبیداللہ علیم لکھتے ہیں:

عذاب آئے تھے ایسے گھر میں کہ پھر نہ گھر سے گئے
وہ زندہ لوگ مرے گھر کے جیسے مر سے گئے

کیا وجہ ہے کہ پاکستان کبھی ٹارگٹ کلنگ، کبھی مذہبی منافرت اور جنون پن اور کبھی کسی اور آفت یعنی سیلاب اور زلازل کی تباہ کاریوں کی نظر ہو رہا ہے؟ کبھی غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ اپنا ہی کیا دھرا ہے جو واپس مل رہا ہے۔ کیا دہشت گرد کہیں باہر سے آ گئے ہیں؟ کیا ٹارگٹ کلر کوئی آسمانی مخلوق ہے؟ کیا بھائی بھائی کا گریبان نہیں کاٹ رہا؟ میں اپنے شہر کراچی کو لوں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک طرف ہمارے پیارے پاکستانی سیلاب میں بہہ رہے ہیں، ان کی جائیدادیں اور گھر بار تباہ ہو رہے ہیں اور ادھر جو رہی سہی کسر ہے وہ کراچی میں آگ لگا کر ایک دوسرے کو مار کر ہم پوری کر رہے ہیں۔ کیسے لوگ ہیں ہم؟ بقول شاعر:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا؟

ہمیں شرم بھی تو نہیں آتی کہ ایک طرف ہمارے غریب عوام مسائل کی چکی میں پس رہے ہیں اور دوسری طرف تمام جرائم اسی رفتار کے ساتھ جاری وساری ہیں۔ ایسے تمام لوگوں سے میری گزارش ہے کہ تم بھی کبھی آرام کرو نا! خدارا اس وقت ہر ایک چیز کو بھول کر اللہ کو یاد کرو اور اپنی سیاہ بختی کا داغ دھو ڈالو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس صفحۂ ہستی سے دھو ڈالے گا۔ تو کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے؟ ایک وہ وقت تھا کہ جب سندھ کی ایک وادی سے ایک مظلوم عورت کی آواز بلند ہوتی ہے تو سینکڑوں میل کی دُوری سے محمد بن قاسم اس مظلوم عورت کی آواز سن کر اس کا کیا ساری قوم کا نجات دہندہ بن کر آتا ہے اور ہندوستان کو اسلام کے امن کا سلامتی کا درس دے جاتا ہے۔ اور ایک آج کا دَور ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محفوظ نہیں ہیں۔ ایک انسان کو قتل کرنا گویا ساری انسانیت کا قتل ہے جبکہ ہم ایک انسان کو قتل کرتے ہیں اور پھر ایک زنجیر بناتے چلے جاتے ہیں اور مقتولین کی تعداد بڑھتے بڑھتے سینکڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ کسی ایک شخص کا ناحق قتل کیا جائے تو کیا اس کے بدلہ میں سینکڑوں یا ہزاروں لوگوں کو مار دینا چاہئے؟ بھیڑ چال میں ہم لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا فرض کیا ہے؟ ہم امن اور سلامتی کے علم بردار مذہب کو ماننے والے ہیں لیکن ہمارے عمل اس کے قطعاً خلاف ہیں۔ ذرا سوچنا تو چاہئے ٹھنڈے دل و دماغ سے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا کہ:

ارضِ وطن کو کھا گئی کس کی نظر منیب
اپنوں کے بازوؤں میں ہیں اپنوں کے قافلے

(عاصی صحرائی)

مشاعرہ

ایک شام طفیل عامر کے نام

مورخہ ۲ جون ۲۰۱۶ء بروز جمعرات کی شام کو نامور شاعر جناب طفیل عامر کے ساتھ ایک شام کا انعقاد قندیل شعروسخن کے زیر اہتمام کیا گیا۔ جس کے ناظم رانا عبدالرزاق خان تھے۔ پروگرام شروع کرتے ہی نے رانا عبدالرزاق خان نے نظامت سنبھالی۔ پہلے آج کے مہمان خصوصی طفیل عامر کو اپنی نشست سنبھالنے کی درخواست کی۔ پھر جرمنی سے آئے ہوئے مبشر احمد کاہلوں صاحب، داؤد احمد کاہلوں صاحب و مبارک صدیقی صاحب کو کرسی صدارت پر تشریف رکھنے کی گزارش کی۔ تلاوت کے بعد رانا عبدالرزاق خان نے طفیل عامر کا تعارف پیش کیا۔ جو کہ کچھ یوں تھا۔

وقارِ لوح و قلم ہمارا طفیل عامر   ادب کا اک جگمگاتا تارا طفیل عامر
زبان میٹھی، مزاج دھیما، وثوق لہجہ   سراپا مہر و وفا کا نعرہ طفیل عامر

(عبدالکریم قدسی)

پاکستان میں وکالت کے پیشے سے منسلک رہے۔ بیس سال سے یوکے میں مقیم ہیں۔ پہلی غزل زمانہ طالب علمی میں ۱۹۶۷ میں کہی۔ نہ معلوم جوانی میں کسی زُلفِ گرہ گیر کے متوالے رہے۔ سو سو طرح دل اپنے کی آس بندھاتے رہتے ہیں... من مندر کے اندھیاروں میں دیپ جلاتے رہتے ہیں

۲۰۱۰ء میں آپ کا پہلا مجموعہ کلام منظرِ عام پر آیا۔ جس کا نام برفیلی دُھوپ ہے۔ ۲۰۱۲ء میں آپ کا پنجابی مجموعہ کلام ''دُھپ کڑاکی'' کے نام سے چھپا۔ 2015ء میں پھر اُردو مجموعہ کلام ''دستک سے تھکے ہاتھ'' زینت طباعت ہوا۔ اس کے بعد پنجابی کی ایک کتاب ''ڈانجھ تے ڈیک'' آپ نے طبع کروایا۔ ۲۰۱۵ء کے آخر پر اُردو کلام ''خواب سجائے پھرتے ہیں'' منظر عام پر آیا۔ اسی سال برفیلی دُھوپ کا انگلش ترجمہ بھی چھپا۔ اس طرح ان کی پانچ کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ آج شام ان کے نام ہے۔ آج ہم ان کی شاعری سے لطف اندوز ہونے کی سعادت پائیں گے۔ میں نے ان کا کلام پڑھا ہے۔ شستہ، سادہ، اور گہرا، رمزیہ کلام کہتے ہیں۔ سنجیدہ طبیعت پائی ہے۔ ستر کے پیٹے میں میں ہیں۔ مگر جوان دکھائی دیتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ان کو ہمیشہ جوان ہی رکھے۔ آمین۔ اسمیں شریک شعراء کے نام یہ ہیں۔ عاصی صحرائی، اقبال مجیدی، ساجد رانا، ریاست رضوی، ایوب اولیاء، مبارک صدیقی، امجد مرزا امجد، ڈاکٹر جمال سوری، ڈاکٹر رحیم اللہ شاد، محمود علی محمود، ثروت اقبال، قدیر کوکب، منظور ریحان، رانا عطاء اللہ، وحداللہ جاوید، رمضان شائق، سوہن راہی، نیلم جوگن، ان سب

شعراء نے اپنا کلام سنایا، یہ ایک یادگار مشاعرہ تھا، جس میں کہنہ مشق شعراء نے حصہ لیا اور اپنے مسحور کلام سے نوازا۔ حاضرین آج شام اس مشاعرے کو سُن کر بہت ہی نازاں وفرحاں تھے۔ سب نے کھل کر داد دی اور مشاعرے کی رونق بڑھائی۔ نوجوان شاعر ساجد رانا نے بہت داد حاصل کی اور طفیل عامر نے مشاعرے کو لوٹ ہی لیا۔ امجد مرزا امجد جو بہت ہی دُور سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے سُر میں غزل سنا کر محفل کو خوب گرمایا۔ جمال سوری نے اپنے مزاح سے سامعین کو خوب ہنسایا، سوہن راہی نے بھی اپنے سروں کا جادو جگایا۔ اسی طرح نیلم جوگن نے بھی اپنا کلام سُر میں سنا کر خوب داد حاصل کی۔ رات بھیگ رہی تھی۔ آخر پر صدر مجلس نے چند کلمات کہہ کر سب کا شکریہ ادا کیا۔ اور اسے یادگار مشاعرہ قرار دیا۔ اس کے بعد ناظم مشاعرہ، ایڈیٹر ماہنامہ قندیلِ ادب انٹرنیشنل، کالم نگار، شاعر و ادیب رانا عبدالرزاق خان نے سب کا بڑی خوشی اور عاجزی سے شکریہ ادا کیا۔ بعد میں سب احباب کی خدمت میں کھانا اور آئس کریم پیش کی گئی۔ دعا ہے خدا تعالیٰ ہم سب کو ایسے مشاعرے کر کے اردو ادب کی خدمت کی توفیق دیتا رہے۔ آمین۔

ہمارے لیڈر

رانا عبدالرزاق خان
لندن

پاکستان کے قانون میں بڑی کوششوں کے بعد ترمیم کی گئی کہ اس کے اعلیٰ عہدوں پر کوئی غیر مسلم براجمان نہ ہو۔ خدا کی قدرت کہ ان عہدوں پر فائز ہونے والی بعض شخصیات نے خوب مسلمانی کا حق ادا کیا۔ لوٹ مار میں یہودیوں سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ کیونکہ ہم مسلمان تو ہیں مگر نام کے۔ غیر مسلم تو اپنے عقائد پر کھل کر عمل کرتے ہیں۔ مگر ہم تو منافق ہیں۔ کھا پی کر مانتے بھی نہیں۔ صدر پر تبصرے کے لئے زرداری ہی کا نام کافی ہے جس پر کہ دفتر کے دفتر لکھے جاسکتے ہیں۔ ظلم اور کذب میں ضیاع الحق منافقوں کے امیر المومنین کا نام کافی ہے۔ وُزرائے اعظم میں بھٹو صاحب اور نواز شریف کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے ملک وقوم کو بے حد نقصان پہنچایا، اور اب تک ان کے حواری بھی ملک کو لوٹنے میں صف اوّل کے ڈاکو ہیں۔ علمائے کرام کا ذکر یہی کافی ہے کہ وہ لوگ سب اب یزید کے ساتھی ہیں۔ جتنے معصوم مسلمان انہوں نے سعودیہ اور امریکہ سے ڈالرز لے کر قتل کروائے یہ اُن کا ہی کارنامہ ہے۔ اب رہ گیا ذکر اُن بڑے بڑے چوروں کے دست و بازو کا۔ یہ بھی ایک طویل فہرست ہے۔ ہم نے نہ اب تک انگریز سے آزادی لی ہے اور نہ ہندو سے۔ ہم اُن کے غلام ہیں۔ انگریز اور ہندو کا کلچر ہمارے اور ہماری نسلوں کے خون کے اندر رَچ بس گیا ہے۔ ہماری مسجدیں نیم ملاں نے اغوا کر لی ہیں۔ مدرسے سعودیہ اور ایران نے۔ طالبان نے ہماری نئی نسل کا برین واش کر دیا ہے۔ ہم خدا اور رُسول کو بھول چکے ہیں۔ ہم زندوں کی بجائے مردوں سے مرادیں مانگ رہے ہیں۔ نمازوں سے ہم گریزاں ہیں رزقِ حرام ہمارا شعار ہے۔ رشوت ہمارا ٹارگٹ ہے۔ زنا ہماری تفریح ہے۔ اسلام ہمارا نعرہ ہے۔ RAW ہماری روزی ہے۔ ہم اب کس کو راہنما بنائیں۔ مولانا ڈیزل کو جو کہتا ہے ''رقم بڑھاؤ نواز شریف ہم تمہارے ساتھ ہیں'' جو کروڑوں کی رقوم دین کے نام پر ہڑپ کر جاتا ہے۔ آمریت ہو یا جمہوریت اُسے تو دولت درکار ہے۔ قائم علی شاہ کو لیڈر بنائیں جس نے سارے سندھ کو نیلام کر دیا ہے۔ الطاف حسین کو لیڈر بنائیں جو RAW کا ایجنٹ اور قاتل ہے۔ اسفندیار ولی کو جس کا دادا سرحدی گاندھی تھا۔ جماعت اسلامی کے لیڈر کو بنائیں جو سرے سے پاکستان کے وجود کی مخالف ہے۔ قائداعظم کو کافر اعظم کہتی ہے اُسامہ کو شہید اور فوجی کو شہید نہیں کہتی۔ پنجاب میں یوسف رضا گیلانی جو بڑا ڈاکو ہے۔ رانا ثناء اللہ کو لیڈر بنائیں جس میں ساری دہشت گردی سموئی ہوئی ہے۔ طاہر القادری کو لیڈر بنائیں۔ جنہیں ہوس زر پرستی اور کذب گوئی میں کمال حاصل ہے۔ خدا اور رسول کے نام پر مخلوق خدا کو لوٹ رہا ہے۔ میں کس کا ذکر کروں۔ کوئی بھی تو مخلص نہیں اس اَنبوہِ گوسفنداں میں۔ بیس کروڑ عوام میں کوئی صاحب کردار ہے۔ اشرافیہ کا معیار رُو بہ تنزل ہے۔ علماء سُو کا بول بالا ہے۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس ہے۔ کیا یہی اسلام ہے۔ کہاں گیا عدلِ فاروقی، کہاں گیا قصاص، اور دیت۔ کان کے بدلے کان، جان کے بدلے جان، ہم نے تو ساری دنیا میں اسلام پھیلانا ہے۔ کردار سازی کرنی ہے۔ خود ایک مختصر ملک کی باگ دوڑ ہاتھ میں آئی تو ہوس زَر پرستی میں سب سے آگے نکل گئے۔ یہ جہاں بانی کے گُر نہیں۔ دیانت داری کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اَقرباء پروری عروج پر ہے۔ ہر امر خوری عام ہے۔ کیا بنے گا اس پاک وطن کا۔

ہم وطن کی لاش کو گدھ کی طرح نوچ نوچ کر آتشِ شکم کو ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ کیا کبھی قانون کی حکمرانی آئے گی۔ کیا کبھی قانون سب کے لئے برابر ہوگا۔ اے اس ملک پر رحم کر۔

(6) اِسْتَعِیْنُوْا عَلَی الْحَوَائِجِ بِالْکِتْمَانِ (طبرانی عن معاذ بن جبل)
ترجمہ: اپنی ضروریات پر خاموشی سے مدد مانگو۔

(7) اِتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ (بخاری عن عدی بن حاتم)
ترجمہ: آگ سے بچو خواہ نصف کھجور کے صدقہ سے۔

(8) اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃٌ لِلْکَافِرِ (مسلم وترمذہ عن ابی ھریرۃ)
ترجمہ: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

(9) اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ (مسلم وابوداؤد عن عمران بن حصین)

1946ء کے انتخابات قراردادِ مقاصد 1973 کا آئین...

قیوم نظامی

برصغیر کے مسلمانوں اور قائدین کو مکمل ادراک تھا کہ 1945–1946ء کے انتخابات پاکستان کی آزادی کیلئے فیصلہ کن ہونگے لہٰذا یہ انتخابات جیتنے کیلئے ہر حربہ اختیار کیا گیا البتہ ٹھوس اور مستند شہادتوں کیمطابق قائداعظم نے پیسے دیکر ووٹ خریدنے سے انکار کر دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے قائدین اور کارکنوں نے اسلام کو انتخابی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ گورنر پنجاب سر بریٹنڈ گلینسی نے 27 اکتوبر 1945ء کی رپورٹ میں تحریر کیا کہ انبالہ ڈویژن میں مسلم لیگ کے حامی پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ پاکستان میں شرعی قوانین نافذ کیے جائینگے اور مقدمات کے فیصلے مسجدوں میں ہوا کریں گے۔

اشتیاق احمد: Punjab Partitioned Oxford Press 2012 صفحہ 85

گورنر گلینسی نے 2 فروری اور 28 فروری 1946ء کی رپورٹوں میں درج کیا کہ پیر مشائخ اور طلبہ قرآن لے کر پنجاب کا دورہ کر رہے ہیں اور عوام سے کہہ رہے ہیں مسلم لیگ کا ووٹ اللہ کے رسول ﷺ کا ووٹ ہے جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دینگے وہ مسلمان نہیں رہیں گے۔ مسلم لیگ کے حامی ”اسلام خطرے میں“ کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ جہلم کے مقامی مولوی عباس علی شاہ مسلم لیگ کے اُمیدوار نے ایک انتخابی اشتہار شائع کیا ہے کہ انتخابی جنگ اسلام اور کفر کی جنگ ہے۔ دین کو بچانے اور آخرت کو سنوارنے کیلئے مسلم لیگ کو ووٹ دو۔ مسلم لیگ نے پنجاب میں مذہبی لہر پیدا کر دی ہے یونی نیسٹ پارٹی اس لہر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مسلم لیگ کی جیت کے امکانات روشن ہیں۔ [اشتیاق احمد: صفحہ 89]

مذہبی انتخابی لہر کے باوجود قائداعظم اپنے مؤقف پر قائم رہے جب انکے قابل اعتماد ساتھی مسلم لیگ کے فنانس سیکریٹری راجہ صاحب محمود آباد نے قائداعظم کی موجودگی میں ”اسلامی ریاست“ کی اصطلاح استعمال کی تو قائداعظم نے انکو یہ اصطلاح استعمال کرنے سے روک دیا تاکہ عوام یہ تاثر نہ لیں کہ راجہ صاحب قائداعظم کے خیالات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ The"Partition of India: C.H. Phillpe صفحہ 388 قائداعظم نے قرآن اور سنت کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ وہ نئی ریاست کی تشکیل اسلام کے سنہری اُصولوں اور اخلاقی اقدار کی بنیاد پر کرنا چاہتے تھے۔ اقلیتوں کے حقوق پر وہ کسی صورت کمپرومائز نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے 11 اگست 1947ء کے دستور ساز اسمبلی کے تاریخی خطاب میں اپنا موقف دوٹوک الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ”مذہب کا ریاست کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہوگا“۔ قائداعظم دلیر، بے باک اور جرائت مند لیڈر تھے وہ آخری دم تک اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ البتہ اپنی رائے کو اسمبلی پر مسلط نہ کیا اور اراکین اسمبلی کو آئین بنانے کی آزادی دی۔ ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کو مذہبی امور کا مشیر بنایا جائے اور ظفر اللہ خان (احمدی) وفاقی وزیر خارجہ کو کابینہ سے نکالا جائے مگر قائداعظم نے دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا۔ [لارنس زائرنگ: At the Crosscurrent of History صفحہ 58] غلام محمد اور چوہدری محمد علی نے قائداعظم کے 11 اگست 1947ء کے خطاب کو دوقومی نظریہ کے منافی قرار دیا اور اسکی اشاعت کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔ [اے جی نورانی: Jinnah's 11 August Speech, Criterion Quaterly June 2012]

مولانا مودودی نے مولانا شبیر احمد عثمانی رکن دستور ساز اسمبلی کے ساتھ مل کر تحریک شروع کی کہ پاکستان کا آئین اس اُصول پر بنایا جائے کہ حاکمیت اللہ کی ہے اور ریاست کو خدا کی منشا کے مطابق چلایا جائیگا۔ قائداعظم کی رحلت کے بعد لیاقت علی خان نے مارچ 1949ء میں قرارداد مقاصد دستور ساز اسمبلی میں منظوری کیلئے پیش کر دی جس پر تفصیلی مباحثہ ہوا۔ اقلیتوں کے نمائندوں اور سیکولر ارکان اسمبلی نے قرارداد مقاصد کو قائداعظم کے نظریات سے انحراف قرار دیا۔ اراکین اسمبلی کی اکثریت نے اس قرارداد کی منظوری دے دی چنانچہ قرارداد مقاصد آئین کی اساس اور بنیاد قرار پائی۔ قرارداد کیمطابق اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا اور عوام کے منتخب نمائندوں کو حق حکمرانی مقدس امانت کے طور پر دیا گیا۔ جمہوریت، حریت، مساوات اور انصاف کے اُصولوں کو ریاست کی بنیاد قرار دیا گیا۔ اتفاق کیا گیا کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائیگا کہ وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کیمطابق اپنی زندگیوں کو ترتیب دے سکیں۔ قرار پایا کہ اقلیتیں آزادی کیساتھ اپنے مذہبی عقیدوں پر قائم رہ سکیں گی اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں گی۔ قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان کی مذہبی قوتیں مضبوط ہوگئیں اور قرارداد مقاصد کی صورت میں انکے ہاتھ میں ایک ہتھیار آ گیا جس کو استعمال کر کے مذہبی جماعتوں نے اپنے سیاسی مقاصد کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

1970ء کے انتخابات کے دوران پی پی پی اور مذہبی جماعتوں کے درمیان نظریاتی معرکہ لڑا گیا۔ پی پی پی نے سوشلزم اور روٹی کپڑا مکان کے نام پر یہ معرکہ جیت لیا۔

سقوط ڈھاکہ نے متفقہ آئین کیلئے حالات پیدا کر دیئے۔ پی پی پی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو اکثریت کی بنیاد پر پی پی پی کے منشور کے مطابق آئین تشکیل دے سکتے تھے مگر انہوں نے تاریخ کا درست ادراک کرتے ہوئے حب الوطنی کے جذبے سے متفقہ آئین کا فیصلہ کیا ان کو پورا شعور تھا کہ 1956ء اور 1962ء کے آئین نہیں

چل سکے تھے لہذا ایک ایسے سوشل کنٹریکٹ کی ضرورت تھی جو پوری پاکستانی قوم کی امنگوں کا عکاس ہو۔ آئین سازی انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔ ملک دولخت ہو چکا تھا اور صوبے خودمختاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مذہبی جماعتیں قرارداد مقاصد پر زور دے رہی تھیں جبکہ پی پی پی کا سوشلسٹ گروپ سوشلزم پر مبنی آئین بنانے کیلئے دباؤ ڈال رہا تھا۔ بحث ومباحثہ اور مشاورت کے بعد 1973ء کے آئین پر اتفاق رائے ہوگیا۔ 1973ء کے آئین کو مجموعی طور پر ایک اسلامی، فلاحی اور وفاقی آئین قرار دیا جاسکتا ہے۔ 1973ء کے آئین کے آرٹیکل نمبر 1 اور نمبر 2 میں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیا گیا اور قرار پایا کہ قرارداد مقاصد آئین کا حصہ ہوگی۔ آئین کے آرٹیکل نمبر 3 میں سوشلزم کے بنیادی اُصول کو شامل کیا گیا جس کیمطابق قرار پایا کہ ''ریاست استحصال کی تمام اقسام کے خاتمہ اور اس بنیادی اُصول کی تدریجی تکمیل کو یقینی بنائے گی کہ ہر کسی سے اسکی اہلیت کے مطابق کام لیا جائیگا اور ہر کسی کو اسکے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائیگا۔

آئین کا آرٹیکل نمبر 31 قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیتا ہے۔ آئین کا آرٹیکل نمبر 34 زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی شرکت یقینی بنانے کے بارے میں ہے۔ آرٹیکل نمبر 36 اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے جبکہ آئین کا آرٹیکل نمبر 37 مفت لازمی تعلیم، سستے اور فوری انصاف اور حکومتی اختیارات کی مرکزیت کے خاتمے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ آئین کا آرٹیکل نمبر 38 عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتا ہے۔ 1973ء کے متفقہ آئین کے بعد اسلام اور سیکولرازم کی بحث ختم ہوجانی چاہیئے تھی کیونکہ یہ آئین اسلام کے سنہری اُصولوں، اخلاقی اقدار اور سیکولرازم کے بنیادی تقاضے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ افسوس آئین پر صدق دل اور خلوص نیت سے عملدرآمد کا مطالبہ کرنے کی بجائے سیکولر لفظی بحثوں میں اُلجھے ہوئے ہیں جبکہ اسلام پسند، مذہبی جماعتیں اسلام آباد پر قبضہ کرنے کی آرزومند ہیں۔ پاکستان کے کتنے سیکولر عملی طور پر انسانیت کے اعلیٰ اُصولوں پر عمل کرتے ہیں۔ پاکستان میں ہر شعبے میں منافقت عروج پر ہے۔ میری عاجزانہ رائے ہے کہ اگر ہم اپنے آئین پر بلاتفریق عملدرآمد شروع کردیں تو پاکستان حقیقی معنوں میں ایک جدید اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست بن سکتا ہے۔

انشائیہ

بیماری ایک نعمت!

امجد مرزا امجد

آج کل اگر کوئی بیمار نہ ہو تو اُسے رشک کی بجائے شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس پر کسی خاص ''وائرس'' کا حملہ تو نہیں ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد اس کے گھر والے بھی پوچھے بنا نہیں رہتے ''بیٹے! تم ٹھیک تو ہو نا؟'' بیماری بھی ایک طرح کی بیماری ہے کئی لوگوں کو بیمار رہنے کی بیماری ہوتی ہے، جیسے میری ایک رشتہ دار خاتون کو یہ بیماری لاحق ہے کہ وہ ہر وقت بیمار رہتی ہیں۔ گھر کا سارا کام، بازار کی تمام شاپنگ، بچوں کو سکول لے جانا لے آنا اور تو اور گھر کی چھوٹی موٹی مرمت یا رنگ روغن بھی خود کرتی ہیں۔ مگر جب پوچھو آنٹی جی! کیا حال ہے'' حلق کے کنویں سے ہلکی سی آواز آئے گی ''میں ٹھیک نہ!'' اب انہیں جانتے ہوئے چالیس سال سے اوپر تو ہو ہی گئے ہیں جو بیچاری اتنی مدت تک مسلسل بیمار رہی اور ٹھیک نہ ہو سکی اسے کب ہونا ہے اور اس سے زیادہ بیمار ہوگا بھی کون؟ بیمار ہونے کے فوائد بھی ان گنت ہیں، شاید اسی لئے اکثر لوگ بیمار رہتے ہیں۔ آدمی جوں ہی سر باندھ کر لیٹ جائے سارے گھر والے اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور لگ جاتے ہیں خاطر مدارت میں، چاہے بیٹے نے ایک دن قبل ماں کی چوڑیاں بیچ جوئے میں ہار دی ہوں مگر بیمار پڑتے ہی ماں اس کی بلائیں لینے لگے گی ''ہائے میرے لال تو جیسا بھی ہے تندرست ہو جا، اللہ تیرے سارے دکھ مجھے لگ جائیں'' یہ تو خیر ممتا کی محبت کا تقاضا ہے مگر ماموں چچے اور دوسرے رشتہ دار بھی جو اس کمبخت کی شکل سے نالاں ہوں جوس اور ''لوکوزیڈ'' کی بوتلیں اٹھائے آرہے ہیں اور طرح طرح کے پھل کاٹ کاٹ کر زبردستی اس کے منہ میں ٹھونس رہے ہیں کہ مبادا بیٹے کو کمزوری نہ ہو جائے۔ بیمار کو اٹھانا ہو تو پورا گھر کیا سارا محلہ اکٹھا ہو جاتا ہے کہ کمزور ہے آرام سے اٹھانا کہیں کوئی ٹھیس نہ لگ جائے، ایک چھٹانک بھر کے مریض کو اٹھانے کے لئے بارہ بارہ ہاتھ بیقرار ہونے لگتے ہیں۔ ایسے کو پھر اللہ صحیح اٹھاتا ہے اور برادری محلے کا ہر کوئی کہہ اٹھتا ہے ''اللہ اللہ کیسے اٹھا بے چارا... پتہ ہی نہ چلا...!'' مریض اور دلہن نئے نئے ہوں تو بہت قدر ہوتی ہے جوں جوں یہ دونوں پرانے ہوتے جاتے ہیں گھر والوں کی جان کے روگ بنتے جاتے ہیں۔ بیمار سے دعا بھی کرائی جاتی ہے کہ سنا ہے اللہ اس کی دعا قبول کرتا ہے مگر دوسروں کے لئے، اپنے لئے ہو تو وہ تندرست نہ ہو جاتا...

بیمار ہونے کے لئے تندرست ہونا شرط ہے اگر آپ تندرست نہ ہونگے تو پھر بیمار نہیں ہو سکتے۔ بیمار، بچے اور بوڑھے میں کوئی فرق نہیں ہوتا تینوں کی عادات ایک جیسی ہوتی ہیں، ضد کرنا۔ اپنی بات منوانا اور بات بے بات پر روٹھنا۔ فرق صرف اتنا کہ بچے کی ایسی حرکات کو ایک چانٹے سے تبدیل کیا جاسکتا ہے مگر مریض اور بوڑھے کو

صرف اللہ ہی سمجھا تا ہے اوپر لے جا کر۔جس کی بیوی کبھی بیمار نہ ہوئی ہو وہ اسے ڈاکٹر کو ضرور دکھائے، بیوی کا بیمار نہ ہونا خاوند کی اچھی صحت کے لئے نقصان کا باعث ہوسکتا ہے۔ بیمار لوگ نہایت شریف اور بے ضرر ہوتے ہیں، وہ کسی کو کوئی نقصان نہیں دیتے اسی نیک فطرت کے موجب اللہ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے وہ بھی کسی اور کے لئے ان لئے نہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں جہاں بھی بدامنی پھیلی، جنگ ہوئی خون خرابہ قتل و غارت ہوئی، اس کے کارن ہمیشہ تندرست لوگ تھے۔آپ نے ہمیشہ تندرست لوگوں کو ہی لڑتے مارتے دیکھا ہوگا۔کیا کبھی کسی بیمار مریض کو ایسی حرکات میں ملوث پایا گیا؟...جی کبھی نہیں۔ہمیشہ تندرست لوگوں نے ہی دنیا میں بگاڑ پیدا کیا۔لہذا بیمار لوگ اسی نیکی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک سمجھے جاتے ہیں۔اور عام آدمی کی نسبت جلد اللہ سے جا ملتے ہیں۔میں نے ایک دوست سے اس کی خوشگوار گھریلو زندگی کا راز پوچھا تو وہ بولا۔''مجھے جب یہ کھٹکا ہوتا ہے کہ آج میری بیوی کا موڈ لڑنے کا ہے تو میں اسے کہہ دیتا ہوں جانی! کیا بات ہے آج تم کچھ بیمار بیمار سی لگ رہی ہو ٹھیک تو ہو نا؟ اور وہ ذرا دیر نہیں لگاتی اسی وقت سر باندھ کر لیٹ جاتی ہے''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بیمار کا گھر میں ہونا سکون کا باعث ہے اور خاص کر کے بیوی کا۔اسے کبھی کبھی ضرور بیمار ہونا چاہیئے۔اسی لئے ہم نے اس مضمون کے شروع میں کہا ہے کہ اگر آپ کی بیوی زیادہ بیمار نہیں ہوتی تو آپ اسے ڈاکٹر کو دکھانا مت بھولیئے! وقتاً فوقتاً بیمار ہونا دوسروں کو خدمت کا موقع فراہم کر کے ثواب دلوانا اور ملنے ملانے کا بھی اک بہانہ ہے۔کئی ایسے عزیز و اقارب بھی ہوتے ہیں جو ملنے کی چاہت رکھتے ہوئے بھی ملنے سے قاصر ہوتے ہیں مگر آپ کی بیماری انہیں یہ زرین موقع فراہم کرتی ہے اور تجدیدِ محبت کا باعث بنتی ہے۔بیمار رہنے سے گھر والوں کو کام کرنے کی عادت بھی پڑتی ہے۔صحت مند بیوی کی موجودگی میں اکثر خاوند ہڈ حرام ہوجاتے ہیں اپنے لئے گلاس پانی کا بھی لینا پسند نہیں کرتے جبکہ بیوی کی بیماری کے دوران بچوں کی نیپیاں دھونے سے لے کر گھر کی صفائی تک کے کام خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹا لیتے ہیں۔گھر میں ایک فرد کی بیماری تمام گھر والوں کو مصروف رکھتی ہے اور مصروفیت اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اس سے فقط صحت ہی نہیں اچھی رہتی، دماغ بھی مصروف رہتا ہے جو ہزار آلائشوں سے بچائے رکھتا ہے۔کہتے ہیں صحت مند جسم اور خالی دماغ شیطان کی آماجگاہ ہوتے ہیں ان سے جتنا پرہیز رکھ سکیں بہتر ہے۔بیمار بندہ اللہ کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے اسی لئے تو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں...اور کون ایسا مسلمان ہے جو اللہ سے دور رہنے کے متعلق سوچ سکتا ہے...توبہ توبہ...یہ تو گناہ کی بات ہوئی نا!!...

موازنہ ادیان کا بانی۔ابوریحان البیرونی

رشحات قلم: زکریا ورک کینیڈا

ایشیا میں جب پہلا ہزار سال ختم ہونے کا تھا تو وہ وقت علم و فضل، تجارت اور جنگوں کے ضمن میں ولولہ انگیز تھا۔ایک ہزار واں سال ختم ہونے کو تھا جب ایشیا میں ابن سینا جیسا عبقری انسان تولد ہوا، اور یورپ میں ابن رشد جیسا نابغہ روزگار فلسفہ و حکمت کے فلک پر نمودار ہؤا تھا۔یہی وہ وقت تھا جب امام الغزالیؒ نے احیاء العلوم جیسی معرکۃ الآراء کتاب زیب قرطاس کی اور ابن الہیثم نے کتاب المناظر جیسی مبسوط کتاب رقم کی تھی۔اس دور سے دوسو سال قبل بغداد میں اس عہد ساز ترجمہ کی تحریک کی ابتداء ہوئی جب فارسی، عبرانی، شامی اور یونانی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کئے گئے۔اسلامی دور حکومت میں مختلف علوم جیسے اسٹرانومی، الجبرا، ریاضی، فلاسفی، منطق، علم الادویاء میں کتابیں لکھے جانے کے علاوہ نئی نئی دریافتیں کی گئیں۔یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ اس دور میں البیرونی (م 13 دسمبر 1048) نے پہلی بار موازنہ ادیان پر قلم اٹھایا تھا۔

آج کے دور میں جبکہ شدت پسندی کا مشرق و مغرب میں دور دورہ ہے وقت کا تقاضا ہے کہ بین المذاہب ہم آہنگی کے لئے فضا ہموار کی جائے۔مذاہب کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے کہ امن کی فضا قائم ہو، مذاہب کے پیروکاروں میں پیار جنم لے اور انسانیت کا علم ہر جگہہ لہرائے۔اس ضمن میں تقابلہ مطالعہ ادیان کے مؤسس ابوریحان البیرونی کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

ادیان کی تاریخ

ادیان کی تاریخ کا مطالعہ کوئی پرانا علم نہیں ہے۔یورپ میں گیارھویں اور بارھویں صدیوں میں یونیورسٹیوں کا آغاز ہؤا تو اس وقت ان کا بنیادی مقصد دینی علوم کی تعلیم سے طالبعلموں کو آراستہ کرنا تھا۔ان کو اپنے مذہب کے سوا کسی اور مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا۔اگر مذاہب کا مطالعہ کیا ہی جاتا تو اس کا مقصد ایسے ادیان کا مطالعہ تھا جو مسلمہ عقائد کے برخلاف، گمراہ کن اور کذب تھے۔تھیولوجی اور ادیان کے مطالعہ کے مابین فرق سمجھنا بعض دفعہ مشکل ہوتا ہے۔تھیولوجی یعنی عقائد کا مطالعہ ایک صاحب ایمان دوسرے مومن کو سکھا سکتا تا نجات کا ذریعہ حاصل ہو جبکہ موازنہ ادیان میں مذہب کا تجزیہ متعدد نقطہ ہائے نظر سے کیا جاتا، عالمی ادیان کے عقائد، اخلاقیات، میٹافزکس، نجات کی ماہیئت اور حصول کا موازنہ کیا جاتا تا کہ انسانی تجربہ کو سمجھا جا سکے۔ادیان کے مطالعہ میں تاریخ، سوشیالوجی، لٹریچر اور دیوتاؤں کی خیالی کہانیاں شامل ہیں۔ان میں مشرق وسطیٰ، ایرانی، افریقن، ہندوستانی، ایسٹ ایشن، امیریکن، اور قدیم یونانی ادیان شامل ہیں۔یورپ میں جرمن ماہر لسانیات و ہندویات میکس میولر (1900–Max Muller 1823) کی

کتابوں اور ماہر مصریات سی پی ٹیل Teale.C.P (کی کتابوں اور لیکچرز کی وجہ سے موازنہ ادیان کا آغاز ہوا تھا۔

بیرونی کا مختصر تعارف

البیرونی کی ولادت سینٹرل ایشیا کے ملک ازبکستان کی قدیم ریاست خوارزم کے دارلخلافہ کاث (ازبک) میں ہوئی تھی ۔ 1957ء میں کاث کا نام البیرونی کی یاد میں بیرونیہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ ریاست خوارزم اس وقت ازبکستان، ترکمنستان، کازقستان میں تقسیم شدہ ہے۔اس کی اوائل زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔اس کو فطری طور پر علم ہیئت میں خاص شوق تھا چنانچہ 17 سال کی عمر میں اپنے آبائی شہر کا عرض بلد معلوم کیا تھا۔ یہ دراصل علم جغرافیہ سے اس کے دائمی شوق کی خشت اول تھی۔آرام و شانتی سے کتابوں کے مطالعہ اور ان کو قلم بند کرنے کا یہ سلسلہ 995ء ختم ہو گیا جب محمود غزنوی نے اس کے آبائی شہر پر حملہ کر کے اس کو یرغمال بنا لیا۔سلطان محمود غزنوی کو اپنی سلطنت کیلئے بیرونی جیسے اہل علم اور سفارت کاروں کی ضرورت تھی۔جلد ہی بیرونی غزنہ (افغانستان) پہنچ گیا۔زندگی میں چھ شہزادوں کی خدمت پر مامور رہا، مگر سیاست اور سکالرشپ کو اس نے ہمیشہ جدا جدا رکھا۔

علامہ دہر

البیرونی جامع العلوم شخص تھا جس نے اسٹرانومی، ریاضی، جیوگرافی، علم مساحت یعنی جیو ڈیسی، منرلوجی، فارماکالوجی، ہسٹری میں زبردست کارنامے سرانجام دئے۔ ہندوستان اور ہندو کلچر پر اس کی کتاب تاریخ الہند تو اس کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ بیرونی نے تمام کتابیں فارسی اور عربی میں قلم بند کی تھیں، اور سنسکرت سیکھنے کیلئے اس نے بڑی جانفشانی سے محنت کی تھی تو ہندوستان کے مذاہب کا مطالعہ ان کی زبان میں کیا جا سکے۔ البتہ اس کو متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا۔سیاسی امور سے نپٹنے کے علاوہ اس نے بڑی جانفشانی سے 146 کتابیں زیب قرطاس کی تھیں جن میں 95 کا تعلق ہیئت اور ریاضی کے علوم سے تھا۔اس دور کے مسلمان سکالرز کا خیال تھا کہ ممکن ہے زمین حرکت کرتی ہے جہاں تک البیرونی کا تعلق ہے اس نے تسلیم کیا کہ وہ اس آئیڈیا کو نہ تو ثابت کر سکتا اور نہ ہی غلط ثابت کر سکتا البتہ اس کے خیالات زمین کی حرکت کے حق میں تھے۔

فلاسفر

البیرونی اعلیٰ پایہ کا فلاسفر بھی تھا۔ بیرونی کے دور حیات تک مسلمان یونانی فلاسفروں کے خیالات سے کلی طور پر آگاہ ہو چکے تھے، کیونکہ یونانی کی متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کی جا چکی تھیں۔مسلمان سکالرز ارسطو اور افلاطون کے نظریات کو قبول کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے ان کے اذہان میں سوالات پیدا ہونے لگے کہ خدا کی ماہیت کیا ہے؟ خدا کی قدرت، کائنات کا آغاز اور تخلیق، الہام کی نوعیت جیسے سوالات اور متنازعہ نظریات کو اسلامی عقائد کے مطابق ڈھالنا ایک مسئلہ بن چکا تھا۔ بہ حیثیت فلاسفر بیرونی کے ہم عصر ابن سینا کو زیادہ اہم مقام حاصل ہے۔ بیرونی اور ابن سینا دیگر علوم میں ہم پلہ تھے اور دونوں کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں خط و کتابت ہوئی تھی۔ کتابی صورت میں یہ ابھی تک الاسیلہ والا جوبیہ کے نام سے محفوظ ہے۔

(کتاب نامور سائنسداں، ابوریحان البیرونی از قلم زکریا ورک میں صفحات 191-194، پر اٹھارہ سوالات درج ہیں)

موازنہ ادیان

البیرونی سے قبل کئی ایک سکالرز نے موازنہ ادیان کا مطالعہ کیا تھا لیکن ان میں سے اکثریت کا تعلق یا تو اس گروہ سے تھا جس نے برگشتہ فرقوں یا ادیان کا مطالعہ کیا محض ان کو برا کہنے یا چٹخارے لینے کیلئے کیا۔ دوسرا گروہ یا پھر وہ تھا جس نے ادیان کا مطالعہ کیا مگر ان کے مابین لطیف حد فاصل کو سمجھ نہ پائے۔اس ضمن میں بیرونی نے ابوالعباس ایران شہری کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''وہ کسی موجودہ دین پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن ایک ایسے دین کا واحد پیروکار تھا جسکا وہ موجد تھا اور جس کی تشہیر و اشاعت کی اس نے کوشش کی۔''

اس بات میں دو رائے نہیں کہ موازنہ ادیان کے مطالعہ Comparative study of religion کی داغ بیل بیرونی نے ڈالی تھی جس نے چھ ادیان زرتشیت، یہودیت، جین ازم، ہندوازم، عیسائیت اور اسلام کے عقائد اور اعمال practices کا موازنہ پہلی بار پیش کیا تھا۔ بیرونی نے تمام ادیان کے عقائد، رسومات، رواج، تہواروں کو دیانت داری اور بغیر تعصب کے پیش کیا، اس حد تک کہ ہر دین کی شناخت برقرار رہے۔ دین کے بارے میں اس کی اپروچ معروضی تھی جس کی وجہ سے اس کی شہرت آج تک برقرار ہے۔اس نے کہا ان جملہ ادیان کو جیسے کے وہ تھے سمجھا اور پرکھا بجائے اس کے کہ ان کے عقائد کو غلط یا برا کہا جائے۔ بیرونی کا کہنا تھا کہ تمام کلچرز آپس میں دور سے کہیں جا کر دیگر کلچرز سے منضبط یا منسلک ہو جاتے کیونکہ یہ بہر حال انسان کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔آرتھر جیفری بیرونی کی موازنہ ادیان میں کنٹری بیوشن کے بارے میں لکھتا ہے:

Arthur Jeffery states: al-Biruni's contribution to the study of religion by establishing such scrupulous scientific principles as completeness, accuracy, and unbiased treatment is rare in his era and "unique in the history of his own faith."

ترجمہ: البیرونی کی ادیان کے مطالعہ میں کنٹری بیوشن اس کے دور میں نادر اور اس کے اپنے دین کی تاریخ میں بے مثال ہے۔اس کیلئے اس نے ایسے سائنسی اصولوضع کئے جیسے مکملیت، درستی، اور غیر جانبدارانہ طریقہ۔ موازنہ ادیان کے ضمن میں بیرونی رقم طراز ہے: ''عیسائیت سے قبل یونانیوں کے بھی وہی عقائد و افکار تھے جو ہندوؤں کے ہیں۔ ان کے طبقہ علماء کا طریقہ فکر بھی ہندو علماء جیسا تھا اور یونانی عوام ہندو عوام کی طرح بت پرستانہ خیالات رکھتے تھے۔لیکن یونانیوں میں کچھ ایسے حکماء پیدا ہوئے جنہوں نے حقیقت کو ایسی خرافات سے پاک کیا۔اس سلسلے میں سقراط کا نام قابل ذکر ہے جس نے اپنی قوم کے عوام کی

مخالفت کی اور حق پر قائم رہنے کی پاداش میں جان دی" (البیرونی کا ہندوستان، مرتبہ قائم الدین احمد، اردو ترجمہ عبدالحی 2005ء صفحہ 32، اردو بازار لاہور) موازنہ ادیان کے ضمن بیرونی کی دو کتابوں کا احوال بیان کرنا لازم ہے یعنی کتاب آثار الباقیہ اور تاریخ الہند۔

کتاب آثار الباقیہ

بیرونی نے اپنی سب سے پہلی کتاب آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ (Chronology of Ancient Nations) جرجان میں قیام کے دوران 999ء میں تالیف کی تھی۔ اس کے لکھے جانے کی وجہ اس نے خود بیان کی: "ادباء میں سے ایک صاحب نے مختلف قوموں کی تواریخ کی کیفیت، ان کے اصول میں اختلاف کی وجہ مجھ سے دریافت کی۔ یعنی تاریخیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں اور ان کے حصے یعنی سال اور مہینے جن پر مبنی ہیں کیا ہیں؟ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے اختلاف پیش آیا۔ نیز کون کون سے مشہور تیوہار، میلے اور یادگار ایام مخصوص اوقات اور رسوم وغیرہ ہیں جو مختلف قوموں میں رائج ہیں"۔

(البیرونی، از سید حسن برنی صفحہ 43، 1927ء)

یہ کتاب میں دور ماضی کے اہم تاریخی، مذہبی، اور علمی مسائل پر ایک تنقیدی تاریخ ہے جس میں مختلف تہذیبوں یعنی شامی، ایرانی، یونانی، عبرانی، نصرانی، صابی، زرتشتی، عرب اور اہل یہود کے کیلنڈروں، اور تہواروں کا ذکر کرکے بتایا کہ بعض اقوام نے کیوں بعض اوقات اور موسم اپنے میلوں اور تیوہاروں کیلئے مقرر کئے۔ کتاب میں بارہ ادیان اور دینی کمیونٹیز کا ذکر کیا گیا جس کی اکثریت کا تعلق ہندو دھرم سے ہے۔ بدھ مت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں دی گئیں کیونکہ اس وقت شمالی ہندوستان سے یہ مذہب ختم ہو چکا تھا۔ کتاب کے 21، ابواب ہیں۔ آٹھواں باب مدعیان نبوت اور ان کی امتوں کی تاریخیں، مہاتما بدھ، مانی، مزدک بن ہمداد، مسیلمہ، بہافرید بن ماہ فروزین، ہاشم بن حکیم المعروف ابن المقفع، حسین بن منصور حلاج، ابی زکریا الطمامی اور ابن ابی الغراقر کے حالات زندگی۔ درج ذیل اقوام کے تہواروں اور صیام کا ذکر کیا گیا ہے: ایرانی، سغدین، اہل خوارزم، یونانی، اہل یہود، ملکیہ Melkite، نصرانی، جیوش پاس اوور Passover، کرسچین لنٹ Lent، نصاری نسطوریہ Nestorian Christian، قدیم مجوسیوں اور صابعین قبل از اسلام عرب قوم اور مسلمان۔

(نامور سائنسدان البیرونی، از قلم زکریا ورک 74، کتابی دنیا، دہلی 2007)

کتاب کی خصوصیات کے متعلق سید حسن برنی رقم طراز ہیں

"کتاب کو دیکھ کر مبصر کو حیرت ہوتی ہے کہ سوا نو سو سال پہلے کسطرح کوئی مصنف ایسے عالمانہ اور محققانہ طور پر اس تصنیف کو لکھ سکتا تھا۔ کسی مضمون کی روایات کو جمع کرنا، تنقیدی نظر سے اس کے ہر پہلو کو جانچنا، ہر ایک کی صحت وعدم صحت پوری تحقیقات کے بعد صحیح فیصلہ صادر کرنا، بیرونی کے آثار (الباقیہ) کے ایسے خصائص ہیں جو اس کی ہر تصنیف کو دیگر تصنیف سے ممتاز کرتے ہیں۔ جا بجا ریاضی کی مدد سے معاملات کو پرکھا ہے اور موشگافی کے نئے نئے طریقوں سے کام لیا ہے... بیرونی نے آتش پرستوں کی نہایت عمدہ تقویم، عید نوروز، اور تیوہاروں کی کیفیت آثار میں تحریر کی ہے جو فی زمانہ قابل قدر چیز ہے"۔

(البیرونی، از سید حسن برنی، صفحہ 148)

تاریخ الہند

البیرونی کی مشہور زمانہ کتاب جس کی وجہ سے اس کو موازنہ ادیان کا بانی کہا جا سکتا ہے وہ تحقیق مع للہند من مقولہ مقبولہ فی العقل او مرذولہ تھی۔ عام طور پر اس کو کتاب الہند کہا جاتا ہے۔ انگلش میں ترجمہ دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کے چھ صد صفحات ہیں۔ بعض سکالرز نے اس کو سوشیالوجی کی کتاب کہا ہے جبکہ کولمبیا یونیورسٹی نیویارک کے پروفیسر جارج صلیبا Saliba نے اس کو نسلی جغرافیہ کہا ہے۔ کتاب کے جرمن اور انگلش تراجم ساخاؤ نے کئے اور ان کو طبع بھی کروایا۔ کتاب تاریخ الہند کا تعارف یوں لگتا ہے جیسے عہد حاضر کے کسی جدید کتاب کا دیباچہ ہے۔ کتاب کے 81، ابواب ہیں۔ مضامین کی گوناگوں فہرست دیکھ کر انسان بے ساختہ کہہ اٹھتا کہ بیرونی نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس نے اپنے مطالعہ کے آؤٹ لائن پیش کی، کن قیاسات پر اس نے اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی، اور کس عمدہ طریق سے علم کو قاری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "یہ کتاب مناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔ (لیس الکتاب، کتاب الحجج والجدال) اس کو لکھنے کا مقصد میرا یہ نہیں تھا کہ ہم فریق مخالف (ہندوؤں) کے وہ اقوال جنہیں ہم غلط سمجھتے ہیں نقل کر کے ان کے رد کے دلائل پیش کریں، بلکہ میری یہ کتاب احوال واقوال کی دستاویز ہے (وانما ھو کتاب حکایات) اس میں ہم ہندوؤں کے اقوال کو من وعن پیش کریں گے اور ساتھ ہی یونانیوں کے ملتے جلتے نظریات وعقائد کو پیش کریں گے تاکہ دونوں کی باہمی مشابہت کا اندازہ ہو جائے... یونانیوں کے علاوہ ہم کہیں کہیں صوفیوں، عیسائیوں کے بعض فرقوں اور بعض دوسرے ادیان کے اقوال بھی نقل کریں گے"۔ (البیرونی، سید حسن برنی، علی گڑھ ۱۹۲۷ء)

"ہم آگے چل کر ان کے (ہندوؤں) کے نظریات کو صراحت سے سمجھائیں گے جیسا کہ ہم نے ہندو دھرم کے عالموں سے سمجھا ہے اور اس پر منصفانہ تنقید کریں گے۔ اگر اس میں کوئی نامانوس بات نظر آئے گی یا کوئی ایسی بات ملے گی جو دوسری قوموں کے نظریات سے مطابقت رکھتی ہو تو ہم اسے بھی بیان کر دیں گے۔ اسلئے نہیں کہ انہیں پڑھ کر قاری ہندوؤں کی مذمت کرے بلکہ صرف اس لئے کہ جو لوگ ان موضوعات کا مطالعہ کرتے ہیں ان کی فہم و فراست کو جلا بخشے"۔ (البیرونی، قائم الدین احمد ص 123)

پروفیسر این میری شمل کتاب Shimmel الہند کے بارے میں لکھتی ہیں: بیرونی کی کتاب الہند کو سب سے پہلی معروضی کتاب کہا جا سکتا ہے جو ہسٹری آف ریلجن پر لکھی گئی۔

Al-Biruni's Book, India, can well be regarded as the first objective book ever written on the history of religion

البیرونی نے کتاب الہند ابو سہل عبدالمنعم بن نوح طفلسی کی فرمائش پر لکھی تھی کیونکہ

مسلمانوں کی ہندوؤں کے متعلق معلومات غلط تراجم اور تصانیف پر مبنی نیز نقائص اور غلطیوں سے مملو تھیں ۔ پھر وہ لوگ جو ہندوؤں سے مکالمہ اور تبادلہ خیال کے خواہش مند ہیں وہ بھی معلومات حاصل کر سکیں۔اس کے نزدیک ہندوؤں سے مکالمہ ضروری تھا کیونکہ ایسے بہت سے موضوعات تھے جو پیچیدہ اور قابل نزاع تھے جن کو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مکالمہ ومخاطبہ سے ہی حل کیا جا سکتا تھا۔

کتاب الہند میں البیرونی نے ہندو تہذیب کی کہانی اہل ہند کی زبانی سنائی اور ہندوستان کے تمدن کی تصویر خود ہندو مصور کے قلم سے کھینچی ہے۔اس نہ صرف ہندو مذہب، علم نحو، فلاسفی، آسمان اور زمین کے متعلق ہندوؤں کے تصورات، ان کے دریاؤں، شہروں کے فاصلے، دنیا کی پیدائش اور فنا ہونے کے بارے میں تصورات پر بحث تاریخوں کے تعین کا فیصلہ، مدوجزر اور آفتاب و ماہتاب کے گرہن کے سلسلے میں ہندوؤں کے عقائد، عدالتی نظام، میراث کے اصول، مقدس اور منحوس اوقات کی نشاندہی، برہمن اور غیر برہمن کے طرز زندگی میں فرق بیان کیا۔اس کے علاوہ سوسائٹی کا تقابلی مطالعہ پیش کیا بلکہ ہندوستان کے جغرافیہ، اسٹرانومی، اسٹرالوجی، کاسمالوجی، اور متعدد دیگر علوم کا موازنہ بھی پیش کیا تھا۔اس کی دقیقہ رس نگاہوں سے ہندوؤں کی عادات اور ضعیف الاعتقادی بھی اوجھل نہیں رہی۔اس نے ثابت کیا کہ اہل ہند اور اہل اسلام بالکل مختلف ہیں۔

کسی چیز میں مشابہ نہیں۔زبان، مذہب، رسم و رواج، طریق معاشرت وتمدن۔غیر ضیکہ ہندوؤں کی ہر چیز مسلمانوں سے مختلف ہے۔سنسکرت عربی کی طرح ادق ہے۔اکثر الفاظ کے متبادل اور متعدد معنی ہیں۔مسلمان سنسکرت الفاظ کے تلفظ سے قاصر بلاشبہ بیرونی نے تحقیق کا جو طریقہ بیان کیا وہ اس پر خود عمل پیرا ہوا۔کتاب الہند میں اس نے ہندو فلاسفی، زبان، ان کے لٹریچر کی کتابیں، ان کی مقدس کتابوں، اسٹرانومی، اسٹرالوجی، حکایات، توہمات، اوزان سے قارئین کو متعارف کرایا۔ہندوؤں کی روزانہ زندگی کے سوشل پہلوؤں کو پیش کیا یعنی شادی بیاہ اور ذات پات کا نظام۔اپنے موضوع پر صحیح طور پر قدرت حاصل کرنے کیلئے اس نے سنسکرت سیکھی، اور ہندوؤں کی چند مقدس کتابوں کے عربی میں تراجم کئے، جو کہ ابھی تک دستیاب ہیں۔کتاب کی تالیف میں اس نے 24 کتابوں 14 یونانی مصنفین، اور 40 سنسکرت کتابوں سے استفادہ کیا۔بیرونی ہمہ گیر سائنسدان، زرخیز دماغ والا اہل قلم، اور سفر کا شوقین تھا۔اس کو عربی، فارسی، سنسکرت، پنجابی، لاطینی پر عبور حاصل تھا۔اس نے اقلیدس کی عناصر اور ہیئت پر بطلیموس کی کتاب کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔پنچا تانترا کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ بیرونی کے ایک سو سال بعد ہونیوالے علامہ شہرستانی (تاج الملۃ والدین) کی کتاب الملل والنحل کا ذکر بھی ضروری ہے جس میں تمام اسلامی فرقوں، مسلکوں، اور سکولز آف فلاسفی کے بیان کے ساتھ دوسرے مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے۔بیرونی اور شہرستانی سے قبل بہت کم سکالرز نے مذاہب اور انٹر کلچرل سٹڈیز پر قلم اٹھایا تھا۔کچھ نے یہودیت، عیسائیت اور مسلمانوں کے ملحدانہ نظریات والے فرقوں پر اظہار خیال کیا تھا۔بیرونی کے ہندوستان جانے اور علوم ہند میں کمال پیدا کرنے میں سلطان محمود کا بڑا ہاتھ تھا۔غزنہ میں قیام کے دوران وہ ہندوستان سے فرار ہوئے عالموں سے تبادلہ خیال کر چکا تھا۔سلطان محمود ہندوستان پر حملے کی غرض سے جاتے ہوئے درباری سائنسدان کے طور پر بیرونی کو اپنے ہمراہ لے گیا، جس کی وجہ سے بیرونی کو وہاں کے حالات کا عینی مشاہدہ کرنے، پنڈتوں سے بحث ومباحثہ کرنے اور عوام الناس سے میل جول کے بعد اتنا مواد جمع ہو گیا کہ وہ بہ آسانی کتاب لکھ سکتا تھا۔بہ حیثیت سکالر بیرونی ہندوؤں کی تہ دل سے عزت کرتا تھا، اس کو سلطان محمود کے پے در پے حملوں سے حقارت تھی۔مگر وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ خود سلطان کا یرغمال تھا۔جرمن مستشرق اور دانشور جس نے کتاب الہند کا جرمن اور انگلش میں ترجمہ کیا تھا یعنی ایڈورڈ ساخاؤ Sachau (1845 –1930) کے بقول سلطان محمود کے نزدیک ہندو ملحد تھے، اگر وہ لوٹ مار کے خلاف مدافعت کریں تو ان کو واصل جہنم کر دیا جائے، جبکہ بیرونی کے نزدیک ہندو اعلیٰ پایہ کے فلاسفر، قابل ریاضی دان، اور منجھے ہوئے ہیئت دان تھے۔بعض سکالرز نے سوال اٹھایا ہے آیا بیرونی نے کتاب میں جو کچھ لکھا وہ عینی مشاہدات اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں لوگوں سے میل جول کا نتیجہ تھا؟ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ بطور رائیل سکالر اس کو کھلی آزادی حاصل نہیں تھی، لیکن اس کو ہندو برہمنوں، فلاسفروں اور پنڈتوں سے مکالمہ وگفت وشنید کرنے کی آزادی تھی جس سے وہ کتاب کیلئے مواد کھٹا کرتا رہا۔بعض ایک کہنا ہے کہ بیرونی آسانی سے پنجابی زبان بھی بول سکتا تھا اسلئے عوام سے بھی معلومات اکٹھی کرتا رہا۔پنجاب میں سفروں کے دوران اس کی ملاقات ہندو پنڈتوں سے ہوئی جن سے گفتگو وہ لازماً پنجابی میں کرتا ہوگا۔اور ہندو علماء بھی ظاہر ہے تھوڑی بہت فارسی جانتے ہوں گے۔تاریخی شواہد کے مطابق اس نے کشمیر اور پنجاب کی تیرہ سال تک 1017–1030 خوب سیر وسیاحت کی تھی اور مختلف شہروں (پشاور، لاہور، پنڈ دادنخاں، جہلم، ملتان، تھانیسر، سیالکوٹ) میں قیام پذیر رہا۔جیسا کہ لکھتا ہے: ''میں نے خود قلعہ لاہور کی پیائش کی تو ۳۴ درجہ ۳ دقیقہ پایا۔قصبہ کشمیر اور لاہور کے درمیان ۵۶ میل کا فاصلہ ہے آدھا راستہ آسان اور آدھا راستہ دشوار ہے''۔

(البیرونی، از سید حسن برنی صفحہ 88 علی گڑھ 1927ء)

ہندو پنڈتوں نے بیرونی کو اس کے علم وفضل کی بناء پر اسکوود یا ساگر (علم کا سمندر) کا لقب دیا تھا۔چنانچہ بیرونی لکھتا ہے: ''ہندو ہیئت دانوں سے شروع میں میرا تعلق اجنبی ہونے کی وجہ سے شاگردوں جیسا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد جب اچھی شناسائی ہوگئی تو میری حیثیت ان کے ساتھ استاد کی ہوگئی۔چونکہ مجھے ریاضی اور ہیئت پر پوری مہارت حاصل تھی میں جلد ہی انہیں درس دینا لگا۔پنڈتوں کو میرے علم کی گہرائی اور وسعت سے بڑا تعجب ہوا، اور حیران ہو کر پوچھنے لگے تم نے کس پنڈت سے علم حاصل کیا ہے؟ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی اجنبی ان کے ملک میں آکر ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔وہ لوگ مجھے ساحر سمجھتے اور اپنی زبان میں ساگر کہہ کر پکارتے تھے''۔

(سوانح عمری البیرونی، زکریا ورک، کتابی دنیا، ترکمان گیٹ دہلی 2007، صفحہ 94)

البیرونی سے قبل عرب سکالرز (بلاذری، طبری) کے مطابق ہندوؤں میں بہت

سارے مذاہب تھے جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ان سکالرز کے نزدیک ہندو ازم گوناگوں diverse تھا اس لئے اس کو ایک مسلک tradition نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے برعکس بیرونی کو ان تمام مسالک میں اساسی یگانگت نظر آئی اس لئے اس نے ہندو ازم کو دین واحد کہا تھا۔اس نے ہندوؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک تو وہ جو خواص یعنی تعلیم یافتہ تھے اور دوسرے عوام جو ناخواندہ تھے۔خواص یا تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ توحید کے قائل اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا ایک ہے، ازلی ہے، نہ اس کی ابتداء اور نہ انتہا ہے۔ قادر مطلق، زندہ اور زندگی دیتا، دنیا کا مالک ومختار اور قائم رہنے والا ہے۔اس کے برخلاف عوام کی اکثریت بت پرست تھی لیکن بیرونی اس کی مذمت نہیں کرتا بلکہ بت پرستی کے رواج پا جانے کے اسباب کا نہایت معروضی انداز میں جائزہ لیا ہے۔

ہندوؤں اور صوفیوں کے نزدیک نجات۔ہندوؤں کے نزدیک نجات کے معنی خدا کے ساتھ مل کر ایک ہو جانا ہے یعنی خدا کی ذات میں گم ہو جانا ہے کیونکہ ان کے خیال میں خدا وہ ہستی ہے جو جزا کی امید اور مخالفت کے خوف دونوں سے بے نیاز ہے۔وہ ایسی ہستی ہے جو مخلوق کے خیال اور وہم وگمان میں نہیں آسکتی۔صوفیوں کا مسلک بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔صوفیوں کے سلسلوں میں ایسے حوالے پائے جاتے ہیں جن سے وصل بالحق کی تصدیق ہوتی ہے۔مثلاً جب ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ حق کیا ہے تو اس نے کہا: میں اس ہستی سے کیسے ناواقف رہ سکتا ہوں جو خود میں ہوں، قطع نظر اس کے کہ یہ "میں" صرف ذاتی ہے جہاتی نہیں...ابو یزید بسطامی سے جب پوچھا گیا کہ وہ سلوک کی اس منزل پر کیسے پہنچے تو انہوں نے کہا: میں نے اپنی ذات کو اپنے وجود سے الگ کر دیا جیسے سانپ کینچلی کو۔اس کے بعد جب میں نے خود کو دیکھا کہ میں تو وہ (حق) ہوں۔

(البیرونی، قائم الدین احمد، ترجمہ عبدالحی 2005، لاہور، صفحات 54 & 56)

یونانی اور ہندو: قدیم یونانی مذہبی اور عائلی ضوابط کیلئے ان حکما سے رجوع کرتے تھے جن کا کام ہی ان قوانین وضوابط کو بنانا تھا۔اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان حکما کو اس کام میں خدا کی نصرت حاصل ہے۔یونان کے بادشاہ بھی یہی کام انجام دیتے تھے...ہندو اپنے قوانین اور ضابطوں کا سرچشمہ رشیوں کو مانتے ہیں۔اور انہیں کو اپنے دین کے ارکان و ستون سمجھتے ہیں....ہندوؤں کے یہاں قوانین میں ردوبدل یا ترمیم وتنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ (البیرونی، قائم الدین احمد صفحہ 65)

"ہندوؤں میں قدیم یونانیوں کی طرح چمڑے پر لکھنے کا رواج نہیں ہے۔سقراط سے جب پوچھا گیا کہ آپ کتابیں کیوں نہیں لکھتے تو اس نے جواب دیا میں علم کو انسان کے زندہ دلوں سے بھیڑوں کی کھال پر منتقل نہیں کرنا چاہتا۔مسلمان بھی ابتدائے اسلام میں کھالوں پر لکھتے تھے۔خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ہونے والا معاہدہ اور نبی کریم ﷺ کا کسریٰ کے نام خط چمڑے پر لکھے گئے تھے۔قرآن کے نسخے بھی ہرن کی کھال پر لکھے گئے تھے اور تورات بھی اسی پر لکھی گئی تھی۔اسکی خوبی یہ ہے اس پر لکھی گئی تحریر کو مٹایا اور بدلا نہیں جا سکتا" (البیرونی، قائم الدین احمد صفحہ 96)

بیرونی نے ویدانتا کے تصوف، صوفی ازم، اور نو افلاطونیت میں بہت ساری مشابہتیں تلاش کیں۔بیرونی نے لکھا کہ یونانیوں اور ہندوؤں کا تعلیم یافتہ طبقہ کے نظریات ملتے جلتے ہیں۔دونوں قوموں کے عوام کے نظریات بھی مشترکہ تھے۔تاہم اس نے دونوں قوموں میں اختلاف بھی بیان کیا۔یونانیوں میں کچھ ایسے فلاسفر تھے جنہوں نے سائنس کے عناصر دریافت کئے اور ان کا رائج الوقت توہمات سے ملاپ نہیں ہونے دیا۔جب سقراط نے عوام کی بت پرستی کی مخالفت کی، اور ستاروں کو دیوتا کہنے سے انکار کر دیا، تو بارہ میں سے گیارہ منصفوں نے اس کو موت کی سزا کی نوید دی۔سقراط نے صداقت پر جان قربان کر دی۔اسکے برعکس ہندوؤں میں اس پایہ کا کوئی شخص نہیں تھا جو اس قابل اور رضامند ہوتا کہ وہ سائنسی علوم کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے۔اس لئے آپ دیکھیں گے کہ ان کے سائنسی تھیورمز بھی ابتری کا نشانہ ہیں۔ان میں کوئی منطقی نظم وضبط نہیں، اور عوام کے احمقانہ تصورات میں گڈمڈ ہیں۔

Al-Biruni's Discovery of India, by Saleem Khan, Jamia Hamdard, Dehli, 2001 page 69

اس نے یونانی فلاسفروں کی کتابوں سے اقتباسات کا ہندوستان کے فلاسفروں کی کتابوں سے اقتباسات کا موازنہ کرتے ہوئے یونانیوں کے فلسفہ کو ترجیح دی۔اس نے لکھا:

India has produced no Socrates; no logical method has there expelled fantasy from their science

ترجمہ: ہندوستان نے کوئی سقراط پیدا نہیں کیا، ان کے سائنسی علوم میں موجود توہمات کو کوئی منطقی طریق سے خارج نہیں کر سکا۔

حرف آخر

ایرانی دانشور، اسلام اور سائنس پر مستند متعدد کتابوں کے مصنف پروفیسر سید حسین نصر کا اس موضوع پر درج ذیل اقتباس قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے۔

Throughout these changes, his interest in religion and cult remained strong, his quotations from the Bhagvad Gita no less than his description of the religious feasts of the religions of Western Asia, give evidence of his intense interest and understanding of religion. His works on comparative religions remain among his most important contributions (source Internet)

اس دنیا میں بہت سے شیفتگان علم پیدا ہوتے آئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے مگر البیرونی سے بڑھ کر علم کے شیفتہ کا جنم لینا محال ہے۔وہ افغانستان کے شہر غزنہ میں عالم جاوداں کی طرف روانہ ہوا مگر زمین پر کوئی نشان نہیں کہ کوئی بتلا سکے یہاں فرید الدہر انسان آسودہ خواب ہے۔

افسانہ

عزت

امجد مرزا امجد

''کرامت حسین'' کتنے پیار سے اس موئے کا نام باپ نے رکھا تھا۔مگر اسکی گندی حرکتوں نے اس کے کردار کی طرح اس کا نام بھی بگاڑ دیا ہر کوئی اسے بگڑے نام سے پکارتا ہے کرامت حسین سے کرامت ہوا ٔ پھر کرامتے ہوا اور اب کرامے کہتے ہوئے بھی لوگ تنگ ہیں باپ کی ولایت کی کمائی کا ایسے چسکہ پڑا کہ پندرہ سال ہو گئے ٔ تین بار آیا وہ بھی مہینہ بھر کی چھٹی پر...جوانی ڈھل گئی بڑھاپے کی دہلیز پھیلتی جا رہی ہے۔کرامے کا باپ حالات سنوارنے کیا گیا پیچھے سب اجڑ کر رہ گیا۔جوان بیٹا بری سنگت میں باپ کی ولایت کی کمائی سگرٹوں میں بھر کر پھونک گیا۔ چاچے نے احسان کیا اور اپنی اکلوتی بیٹی صغراں کو بیاہ کر اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے گیا۔وہاں دونوں بھائی رات دن محنت کر کے جو بھیجتے ہیں وہ یہ ہم سے چھین کر پاؤڈر کی تھیلی خرید لاتا ہے اور آوارہ دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر سگرٹوں میں بھر کر پی جاتا ہے۔شکر ہے اللہ کا کہ پچھلی بار صغراں کے باپ نے اپنا مکان گروا کر چار دکانیں بنوا ڈالیں اور اپنی بیٹی کے نام لکھ دیں۔تا کہ کچھ آمدن کا ذریعہ بن جائے ورنہ کیا ہوتا۔ہم دونوں تائی بھتیجی بنک کے چکر لگاتی رہتیں کہ کب ولایت سے پیسے آئیں گے۔ اور گھر کا خرچہ چلے گا کرامے کی ماں نے ململ کے دوپٹے کو آنکھوں پر رکھا اور اپنے آنسو خشک کئے۔صغراں نے پھر چیخ ماری اور تائی نے دوپٹے کو چھوڑ کر دوبارہ صغراں کو اپنے بازوؤں میں لپیٹ کیا۔''نہ میری بچی نہ رو۔''اے آنے دو کلموئے کو میں اس کی کالی زبان نہ کاٹ دوں تو گلہ کرنا۔صغراں نے زور سے ہائے تائی کہا اور اس سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اس کی بلند ہوتی آواز سے اس کی تائی ساس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔''اے میری بچی۔صبر کر آہستہ آواز نکال۔ابھی سارا گاؤں اکٹھا ہو جائے گا اور ذرا سوچنا کہ بدنامی ہوگی وہ تو بے غیرت ہے ہی نچلے درجے کا شہدا کمینہ ہے۔تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی۔ابھی بات گھر میں ہے اسے یہیں دبا رہنے دے۔ میں جا کر مولوی جی کو بلا لاتی ہوں اور ان سے پورا مسئلہ پوچھ لیں گے۔''

تائی نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور دماغ چیخ رہا تھا۔اری اب کیا پوچھو گی مولوی جی سے۔تیرے بیٹے نے کھڑے کھڑے تین بار سنا دیا اب باقی کیا رہ گیا جو مولوی جی بتائیں گے۔صدیوں سے سنتے آئے تھے تین بار یہ الفاظ منہ سے نکل جائیں تو مرد عورت ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں۔اور طلاق ہو جاتی ہے ہائے۔اس کے منہ سے کانپتی ہوئی آواز نکلی اور وہ صغراں سے چپٹ گئی اور پھر وہ دونوں ساس بہو جی بھر کر رو دیں۔کہنے کو تو کرامت نے لمحے میں صغراں کو تین بار میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں کہہ کر یہ رشتہ ختم کر دیا تھا مگر یہ لاوا بہت دنوں سے ابل رہا تھا اور وہ اسے کئی بار دھمکی دے چکا تھا کہ تو اگر اپنی ضد نہ چھوڑے گی تو میں تجھے برباد کر دوں گا۔کہیں کا نہ رکھوں گا۔وہ اپنی ماتھے میں دھنسی ہوی نشہ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں نکال کر بائیں ہاتھ کی انگلی ہلا کر اسے تنبیہ کرتا۔

اور صغراں ماتھے پر بل ڈال کر ناک سکوڑتی۔''جا کر امے بیٹھک میں بیٹھ اور رو اپنے نصیبوں کو تمہیں ایک پڑی نہ ملے گی اب۔میں اب اپنی دکانوں کا کرایہ خود جا کر وصول کروں گی اور ان دکانداروں کو صاف کہہ دیا ہے کہ کرائے میں سے ایک ٹیڈی پیسہ کرامے کو مت دینا...ظلم نہیں باپ کے بھیجے ہوئے پیسے ہضم کر جاتے ہو اور میری دکانوں کا کرایہ لے کر بھی کمینے آوارہ دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر نشے میں اڑا دیتے ہو۔ کبھی سوچا ہے کہ گھر کے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے۔''اور جب کہیں سے کچھ رقم نہ ملی تو نشہ ٹوٹنے لگا بدن میں اینٹھن ہونے لگی۔جسم کا جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا اور کرامتے کے مال پر عیش کرنے والے دوست اس کی خالی جیب کی طرح ساتھ چھوڑ گئے۔تو خفت آمیز ناراضگی سے بھرا ہوا کرامت بیوی سے بھی پیسے نہ ملنے پر برافروختہ ہو کر اپنے ہوش کھو بیٹھا۔اور مردانگی کی نیام سے طلاق کی تلوار کا وار کر دیا۔بیوی سے ہارے ہوئے مرد کا یہ آخری ہتھیار ہوتا ہے جس سے حملہ کر کے وہ اپنی ناکام مردانگی کا بھرم رکھتا ہے اور کرامت نے یہی کچھ کیا۔صغراں سکتے میں آ گئی۔امیر باپ کی اکلوتی چار دکانوں کی مالک بیٹی دھڑام سے اپنے بنائے ہوئے امارت کے محل سے نیچے آن گری اور ذلت و رسوائی کے کیچڑ میں لت پت ہو گی۔وہ اپنی تائی ساس سے لپٹ کر رو رہی تھی۔دکھ اور غم میں رو رہی تھی۔اپنی بے بسی پر رو رہی تھی۔اوہ ایک بیکار نکھٹو اور نشے کی لت میں مبتلا خاوند کی بیوی ہر کر بھی اپنے آپ کو کسی سے کم تر محسوس نہ کرتی تھی مگر اسی نکھٹو بیکار پاؤڈری خاوند کے تین لفظوں نے اسے خود اپنی نظروں میں تولہ بھر نہ رکھا اور اپنی تذلیل برداشت نہ کر پا رہی تھی۔غصے اور دکھ کے ملے جلے جذبات نے اسے زخمی ناگن کی طرح کر دیا تھا۔''کہاں چلا گیا وہ کمینہ'' صغراں نے تائی ساس سے الگ ہو کر پھنکارا۔''اب اگر وہ میرے سامنے آیا تو میں اسکا منہ سر نوچ لوں گی چرسی ٔ افیمی ٔ پاؤڈری ہیجڑا نہ ہو...یہ میں اور میرا خدا ہی جانتے ہیں کہ میں اسے اتنے برسوں کس طرح برداشت کرتی رہی ہوں۔''صغراں نے نفرت و حقارت سے زمین پر تھوکا اور ہتھیلیاں پھیلا کر اپنے آنسو دونوں ہاتھوں سے صاف کئے۔مگر بڑی دیر تک اس کی ہچکیاں کمرے میں گونجتی رہیں۔دوسرے دن باپ اور تایا کو اطلاع کر دی گئی اور وہ تیسرے دن گھر پہنچ گئے۔کرامتیکو اس کا باپ بار بار لپک کر دبوچ لیتا اور دو تین ہاتھ جڑ دیتا۔''ظالم کمینے تجھے ذرا شرم نہ آئی۔یہ نہ سوچا کہ تیری بری عادتوں کے باوجود تیرے چاچے نے تجھے صغراں جیسی سگھڑ بیٹی کا رشتہ دیا۔میں جو رقم بھیجتا رہا وہ بھی تو نشہ میں ضائع کرتا رہا اوپر سے دکانوں کا کرایہ بھی ہضم کرتا رہا اور آج تو نے یہ گل کھلا دیا اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا تھا۔'' اور پھر طیش میں آ کر اپنی کرسی سے اچھل کر بیٹے کو دو تین

لگا دیتا۔کرامت کو احساس جرم اور اپنی غلطی کا اعتراف ہو چکا تھا جیب خالی ہو چکی تھی۔ ٹوٹا ہوا نشہ بچھو بن کر اس کی رگوں میں اپنے ڈنگ سے زہر خون میں گھول رہا تھا۔جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور دماغ پتھر کی سل بن چکا تھا وہ سر جھکائے ماں باپ اور چاچے کی گالیاں مار کھائے جا رہا تھا۔رات کو تینوں بزرگوں نے سر جوڑ لئے اور لگے سوچنے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔بات ابھی گھر کی چار دیواری کے اندر تھی مگر کب تک یہی ڈر تھا انہیں۔بات باہر نکل گئی تو سب کی ناک کٹ جائے گی۔آخر ایک بات طے ہوئی اور صبح صبح کرامت کے باپ نے گاؤں کے مولوی جی کو گھر بلوایا۔مولوی صادق گاؤں کے حافظ جی کا بڑا بیٹا تھا۔حافظ جی برسوں پرانے گاؤں کی مسجد کے امام تھے ان کی فوت ہونے سے چند سال پہلے ہی مولوی صادق نے اپنے باپ کا کام سنبھال لیا تھا۔چھ بہن بھائیوں اور بوڑھے ماں باپ کی ذمہ داری مولوی صادق کی فقط مسجد کی امامت اٹھانے کی متحمل نہ تھی مگر اور کوئی چارہ بھی نہ تھا وہ ہمیشہ سوچتا یہ مولوی گیری چھوڑ کر شہر جا کر چھوٹی موتی نوکری کو لوں تو بھی شاید اتنی رقم مل جائے گی کہ گھر کے اخراجات پورے ہو جایا کریں گے۔

مگر قریب المرگ باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کو اکیلا گاؤں میں چھوڑ کر یہ رسک لینے کی ہمت نہ پڑتی۔اور پھر پچھلے سال جب صادق کی بیوہ خالہ فوت ہوگئی اور اس کی اکلوتی بیٹی بشریٰ جو اس سے پانچ سال بڑی تھی۔ان کے گھر آ کر رہنے لگی تو حافظ جی نے دوسرے مہینے صادق کا نکاح بشریٰ سے کر دیا اور مولوی صادق نہ ماں سے گلہ کر سکا کہ بشریٰ اس کی بھانجی تھی۔نہ باپ سے احتجاج کر سکا کہ اسلامی نقطہ نظر سے اور کوئی متبادل راستہ نہ تھا وہ کنواری جوان لڑکی کو اس گھر میں کیسے رکھ سکتا تھا جہاں اس کا جوان بیٹا بھی رہتا ہو۔اور پھر ایک دن تو اس رشتہ نے ہونا ہے ورنہ گاؤں کے بوڑھے غریب امام مسجد کی مرحومہ سالی کی بیٹی کا رشتہ اور کون قبول کرتا۔گاؤں کا امام مسجد سارے گاؤں کا سیپی ہوتا ہے اس کی کوئی لگی بندھی تنخواہ تو ہوتی نہیں سال بعد اسے بھی فصل سے اسی طرح اناج ملتا ہے جس طرح گاؤں کے دوسرے سیپی لوگوں کو۔لوہار ترکھان جولاہے اور نائی بھی وہی مقام رکھتے ہیں۔صرف ان کا نام بلایا جاتا ہے اور مسجد کے امام کو حافظ جی یا مولوی جی پکار کے عزت کی ایک سیڑھی اوپر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ورنہ ساری عمر بچوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دینے والا قابل احترام استاد خاندان میں اچھے برے مواقع پر مسئلے الجھانے والا بزرگ نکاح و جنازہ پڑھانے والا اور منبر رسول پر کھڑا ہو کر واعظ کرنے والا عالم معاشرے میں کبھی اس قابل نہ سمجھا گیا کہ اس کی بہن بیٹی کا رشتہ لیا جائے یا اس کے ہاں رشتہ کیا جائے۔معاشرے اور رسم ورواج کی یہ منافقت اور کج ادائی مولوی صادق سے پوشیدہ نہ تھی۔وہ ہمیشہ لوگوں کے اس رویہ پر کبیدہ خاطر رہتا مگر اس کے پاس کوئی راہ فرار نہ تھی۔کرامت کے باپ اور چچا نے مولوی صادق کی خوب آؤ بھگت کی۔انگلینڈ سے لائی ہوئی نائیلون کی سویٹریں تحفہ میں دیں اور خوب کھلا پلا کر فارغ کیا۔مولوی صادق ان دونوں بھائیوں کے حسن اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور دعائیں دیتا فارغ ہوا۔دو دن بعد پھر اسے بلوایا گیا اور خاطر تواضع کے بعد مطلب اور مسئلے کی بات کی۔پڑھا لکھا جوان مولوی فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔کرامت کے کردار اور حالات سے وہ بخوبی آگاہ تھا۔مولوی صادق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔میرے علم کے مطابق اور شرعی طور پر بھی طلاق واجب ہوگئی اور یہ آپ بھی مانتے ہیں کہ طلاق بہ ہوش وحواس دی گئی۔'' چند دنوں کی آؤ بھگت اور خاطر تواضع میں اعتماد بحال ہو چکا تھا۔مولوی صادق کو سچی بات بتا دی گئی مگر پہلے قسم دے کر وعدہ لیا گیا کہ راز فاش نہ ہو۔''مولوی صاحب کوئی ایسی صورت کہ ہماری عزت گھر ہی رہے اور رسوائی نہ ہو۔دوبارہ رجوع کی کیا صورت ہو سکتی ہے کرامتے کو افسوس ہے اور وہ پشیمان ہے۔'' صغراں کا باپ افسردہ لہجے میں بولا۔''جی ہے ایک صورت کہ حلالہ کر لیا جائے۔تین ماہ کی عدت ختم ہونے کے بعد صغراں کا نکاح کسی مرد سے کیا جائے وہ بیوی کے حقوق پورے کرے۔پھر اسے طلاق دی جائے تین ماہ عدت پوری کرنے کے بعد دوبارہ کرامت سے نکاح پڑھوایا جائے۔مگر اس کام کے لئے بااعتماد شخص ہونا چاہیے اور سارا کام پوری رازداری کے ساتھ سرانجام ہو تاکہ آپ کے گھر کی رسوائی نہ ہو۔'' مولوی صادق نے یہ کہہ کر اپنی کالی داڑھی میں انگلیاں پھیر کر اسے کنگھی کی اور سر جھکا لیا...!!!چار دن کی گہری سوچ کے بعد مولوی صادق پھر بلوایا گیا اور بیٹھک کا دروازہ بند کر کے کرامت کے باپ نے ایک کالے رنگ کا پلاسٹک کا تھیلا مولوی صاحب کی گود میں رکھا۔وہ بھونچکا رہ گئے۔اصرار کے بعد انہوں نے کھولا تو ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔''اللہ اکبر'' اور ان کی آنکھوں میں لاکھوں ستارے جھلملانے لگے۔تھیلے میں بہت سی گڈیاں نوٹوں کی ان کی گود میں بکھر گئیں۔''مولوی صاحب یہ دو لاکھ روپے ہیں۔ہماری نظر میں آپ سے زیادہ اعتماد اور ایمان دار اور کوئی شخص نہیں ہے۔اب ہماری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔شہر میں ایک مکان بھی خرید لیا گیا ہے جو آپ کے نام ہوگا۔''''مگر مجھے کرنا کیا ہوگا۔آپ نے تو مجھے میرا مطلب ہے۔'' مولوی صادق ہکلانے لگا دوسری ملاقات میں وہ سب کچھ سمجھ چکا تھا کہ اسے کیوں اتنی عزت دی جا رہی ہے اور بے تکلف کیا جا رہا ہے۔''مولوی صاحب آپ ہمارے بیٹوں جیسے ہیں۔بس انکار نہ کرنا۔آپ صغراں سے نکاح کر کے دو تین دنوں کے لئے شہر کے اس مکان میں چلے جائیں اور پھر۔'' صغراں کے باپ کی آواز بھرا گئی اور ٹپ ٹپ آنسو آنکھوں سے گر پڑے۔'' اور پھر صغراں کو فارغ کریں۔تاکہ یہ شرط پوری ہونے کے بعد کرامت سے دوبارہ نکاح پڑھایا جا سکے۔ورنہ ہم جیتے جی مر جائیں گے۔اور بے بس بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔اس کے بھائی نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور تھپکی دے کر صبر کی تلقین کرنے لگا اور پھر مولوی سے مخاطب ہوا۔

''مولوی صاحب یہ بات ہمارے درمیان راز رہے گی یہ رقم اور شہر کا مکان آپ کی ملکیت ہوگا۔ آپ ہمارا یہ کام ختم کر کے اپنے خاندان کے ساتھ شہر جا کر رہ سکتے ہیں اور کوئی کاروبار شروع کر کے عزت سے زندگی گزار سکتے ہیں ہم مزید بھی آپ کی مدد کریں گے۔'' اپنے آبائی پیشے سے نالاں مولوی صادق کے لئے یہ سنہری موقع تھا۔ چار دنوں کے اس کام کی اتنی بڑی اجرت وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی ایک ایسی دیرینہ خواہش جس کے لئے اس نے کبھی بڑ بڑا کر بھی اظہار نہ کیا تھا تنہائی میں کبھی دعا بھی نہ کی تھی بس اس خواہش کو محسوس کر کے اپنے چاروں طرف مایوسی کے اندھیرے میں تڑپتا تھا مگر کبھی تگ و دو نہ کی آج یہ سب کچھ کوئی اسے سونے کی طشتری میں رکھ کر پیش کر رہا تھا۔ تھوڑے سے تکلف اور رودوکد کے بعد اس نے حامی بھر لی۔ صغراں کے باپ اور چچا نے اسے گلے سے لگا لیا۔ اور پھر دوسرے شہر کے مکان میں اس محلہ کی مسجد کے مولوی نے چند محلہ داروں کی گواہی میں صغراں اور مولوی صادق کا نکاح پڑھا دیا۔ شہر کے ماحول کے لاتعلقی نے کئی پردے ڈال دیئے اور صغراں اور مولوی صادق پروگرام کے مطابق تین روز میاں بیوی کی حیثیت میں شہر کے مکان میں رہے۔ مکان کی رجسٹری نکاح والے روز دولہا کو دی گئی۔ چوتھے روز کرامت اپنے باپ اور چچا کے ساتھ شہر آیا تو مکان کے باہر تالا لگا تھا۔ شام تک وہ باہر بیٹھے رہے مگر مایوسی ہوئی۔ صغراں کے باپ نے کرامت اور اپنے بھائی کو دلاسہ دیا۔ ''یار مجھے تو شک ہے کہ وہ دونوں خود ہی گاؤں نہ چلے گئے ہوں اور ہم ادھر نکل آئے وہ وہاں گھر میں ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔'' مولوی صادق ایماندار دینی آدمی تھا وہ کچھ اور سوچنا بھی گناہ سمجھتا تھا۔ رات گئے جب وہ گاؤں پہنچے تو کرامت کی ماں رو رو کی آنکھیں سرخ کئے پریشان بیٹھی تھی کہ صبح کے گئے تین مرد رات آدھی ہوگئی ابھی کیوں نہیں آئے۔ کاسہ سر بھی عجب وہم گمان کی افزائش گاہ ہوتا ہے ایک بار وہم خود رو پورے کی مانند نمو پا جائے تو پھیلتا ہی جاتا ہے وہ گھبرا کے بھاگی اور سب سے الگ الگ پوچھتی کہاں ہے میری صغراں۔ ساتھ کیوں نہ لائے اسے۔ وہ کیوں نہیں آئی۔ مگر تینوں مردوں کے چہروں پر انجانے وسوسوں کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ان کی آنکھیں ایک دوسرے سے سوال کر رہی تھیں۔ جن کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ اس رات کسی کو نیند نہ آئی نہ کوئی کسی سے کچھ بولا دوسرے دن پھر تینوں شہر گئے مگر قفل اسی طرح لٹکا ان کی بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔ ہمسایوں سے پوچھا چند دن پہلے آئے ہوئے مکینوں کو کسی نے نظر بھر کر دیکھا بھی نہ تھا۔ پانچ دن تینوں مرد صبح سویرے آتے سارا دن باری باری مکان کا پہرہ دیتے اور مایوسی میں لپٹے واپس گاؤں چلے جاتے۔ رات سسکیوں اور آہوں میں گزار کر پھر شہر آ جاتے۔ کس سے کیا کہیں؟

کیا پوچھیں؟ خزاں میں بے لباس درخت کی مانند کئی بار انسان الفاظ سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ محرومی بڑی اذیت ناک ہوتی ہے پانچ دن پانچ صدیوں سے زیادہ طویل تھے اس روز دروازے پر قفل نہیں تھا۔ دھڑکتے دل اور لاکھوں وسوسوں کے ساتھ صغراں کے باپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو صغراں ہی نے دروازہ کھولا۔

باپ دیکھ کو حیران رہ گیا۔ بیٹی نئی نویلی دلہن کی طرح گوٹے کناروں والا ریشمی لباس اور اور ہار سنگھار میں تھی وہ ایک طرف ہٹی تو تینوں مرد ماتھے پر تیوریاں سجائے دندناتے ہوئے اندر چلے گئے کمرے سے مولوی صادق بھی نکل آیا تو کرامت کے باپ سے تنفر سے اسے مخاطب کیا ''اوے مولوی کہاں لے گیا تھا تو ہماری بیٹی کو۔ ہم پانچ روز سے شہر کی خاک چھان رہے ہیں۔ صغراں تڑپ کر تائے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور مٹھی بن کر کے شہادت کی انگی سے تائے کو مخاطب کر کے بولی۔'' ''تایا جی خبردار کوئی ایسی ہتک آمیز بات منہ سے نہ نکالنا کہ آپ کو یہاں سے چلے جانے کو کہا جائے۔ اب یہ آپ کے گاؤں کا سیپی مولوی نہیں محمد صادق میرا خاوند ہے اور آپ اس کے گھر کھڑے ہو کر اس کی بے عزتی نہیں کر سکتے۔'' صغراں کے باپ نے بیٹی کو خوفزدہ ہو کر دیکھا ایک خوف کی لہر چھنا کے ساتھ اس کے جسم کے بار ہو گئی۔ منہ سوکھ گیا اور زبان تالو کے ساتھ چمٹ گئی۔ کرامت غصے سے کانپنے لگا اور بے خیالی میں آگے بڑھا۔ ''تو ہوش میں ہے پاگل عورت۔ میں ایک ہاتھ'' کرامت نے اپنا بایاں ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ صغراں نے آگے بڑھ کر اپنے صحت مند جسم کی پوری قوت کے ساتھ چھڑاک سے ایک بھرپور طمانچہ کرامت کے گال پر لگایا وہ اس حرکت کے تصور میں ہی نہیں تھا۔ ہیروئن کے نشہ نے اس کے جسم کو کھوکھلا کیا ہوا تھا۔ اچانک طمانچے سے وہ لڑکھڑایا اور زمین پر جا گرا۔ صغراں نے اسی پر بس نہ کیا اور آگے بڑھ کر بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی دروازے تک لے گئی...'' کم ظرف انسان تو نے ایک ہیروئن کی پڑیا کی خاطر مجھے طلاق دے دی۔ تیری مردانگی نے تین الفاظ تک ہی محدود تھی جو تو نے مجھے کہہ کر ختم کر دی۔ ورنہ تو میرا تھا ہی کب اور اب میں ایک شریف اور نیک انسان کی بیوی ہوں تیری ہمت کیسے ہوئی کہ تو نے میری دہلیز عبور کی۔ دفع ہو جا اور اگر دوبارہ نظر آیا تو گردن توڑ دوں گی۔'' کرامت ودھکا مار کر دروازے سے باہر نکال کر صغراں نے کنڈی لگا دی۔ باپ اور تایا بت بنے کھڑے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ صغراں مڑی اور باپ کو مخاطب ہوئی ''ابا اب بتایئے کیا بات ہے؟'' باپ سکتے میں کچھ نہ بول سکا۔ تائے نے کھانس کر گلا صاف کیا اور کانپتی ہوئی زمیں کہا۔'' دیکھ بیٹی صغراں یہ خاندان کی عزت کا سوال ہے بات یہ طے ہوئی تھی کہ...'' صغراں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''شرم کرو تایا جی خاندان کی عزت کہتے ہوئے ساری زندگی کا آپ کا بیٹا آپ کے خون پسینے کی کمائی ہوئی دولت گاؤں کے چرسی بھنگی اور آوارہ دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ہیروئن پی کر لٹاتا رہا تو آپ کی عزت پر کوئی دھبہ نہ لگا اپنی بوڑھی بیوی گاؤں میں چھوڑ کر ولایتی میم کو گھر رکھ کر آپ کے خاندان کی عزت قائم رہی؟ مجھے طلاق دے

کر برباد کر ڈالا تو بھی آپ کی عزت پر پردے پڑے رہے... اور اگر آج مجھے اللہ نے میرے صبر کے اجر میں ایک شریف نیک انسان کی بیوی بنا دیا تو آپ کی عزت کو خطرہ ہونے لگا۔ میں ہمیشہ آپ بڑوں کے فیصلوں پر سر جھکاتی رہی۔ مجھے میرے باپ نے جانتے بوجھتے ہوئے ایک آوارہ چرسی اور افیمی کے گلے باندھ دیا تھا اور اپنی بیوی لے کر ولایت چلا گیا میں نہ بولی کیا کسی نے مجھ سے پوچھا کہ صغراں تو کیسی ہے۔ خوش ہے تم لوگ کیا سمجھتے ہو چار دکانیں میرے نام لکھ دیں یا کچھ پونڈ بھیج دیئے تو سمجھ لیا بیٹی بڑی سکھی ہے اور پھر میری طلاق کے بعد آپ نے اپنی عزت کے لئے یہ کھیل کھیلا تھا اور ایک نیک شریف انسان کی شرافت خریدی۔

کسی نے میرے لئے بھی سوچا کہ مجھ پر کیا گزری؟ مجھے کھلونے کی طرح کبھی ایک کے ہاتھ میں کبھی دوسرے کے ہاتھ میں دے دیا۔ اپنی عزت کو ہی پیار کرتے رہے۔ میری عزت کا بھی سوچ لیا ہوتا۔ میں عورت ہوں عورت بیوی بیٹی بہن ہوتی ہے اور ماں بھی تو ہوتی ہے۔ اس کا تقدس اس طرح پامال مت کرو۔ صغراں دکھ اور غصے کے ملے جلے جذبات میں کانپ رہی تھی اور آنسو اس کی پلکوں کی جالی پر تھرتھرا رہے تھے۔ باپ نے پہلی بار خفت آمیز لہجے میں کہا۔ ''تو بیٹی تمہارا فیصلہ واپس جانے کا نہیں ہے۔'' ''نہیں ابا میں دوبارہ اس جہنم میں کبھی نہ جاؤں گی۔ مجھے علم ہے کہ برادری اور گاؤں والوں کو ایک تماشا مل جائے گا۔ مگر آپ کی جھوٹی عزت کے لئے میں اپنی عزت بار بار رسوا نہیں کروں گی۔ وہ شخص قطعی اس قابل نہیں جس کے لئے میں صادق جیسے اچھے انسان کو چھوڑ دوں۔ اب ہم اس گاؤں نہیں جائیں گے۔ صادق کے ماں اور بہن کل تک یہاں آ جائیں گے اور صادق جلد ہی شہر میں کاروبار شروع کریں گے۔''

یہ فیصلہ صغراں کا تھا جسے مولوی صادق نے دل سے قبول کیا۔ بات کب تک چھپی رہتی۔ صغراں کا تایا اور باپ واپس انگلینڈ چلے گئے۔ مولوی صادق کی پہلی بیوی بشریٰ کو جب اپنے خاوند کی دوسری شادی کا علم ہوا تو وہ اپنی خالہ ساس کے ساتھ شہر نہ گئی اور گاؤں میں رہی۔ اور پھر چند ماہ بھی نہ گزرے کہ کرامت کا باپ ٹیلی گرام ملنے پر وطن گیا غصے میں وہ لال بھبھوکا ہو کر کرامتے پر لپک لپک کر حملہ کرتا اور دو تین جھانپڑ رسید کر دیتا۔ ''اوئے کمینے تجھے سارے گاؤں میں کوئی دوسری عورت نہ ملی کہ تو نے ماں کو بتائے بغیر اس دغا باز مولوی کی چھوڑی ہوئی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔'' کرامت بڑی فرمانبرداری سے باپ کی مار کھائے جا رہا تھا اور اپنے لال ہوتے ہوئے گالوں کو سہلا کر کہنے لگا۔ ''ابا! عزت بھی کوئی شے ہے نا! اس مولوی نے میری صغراں رکھ لی میں نے اس کی بیوی رکھ لی اور بشریٰ بھی یہی کہتی ہے کہ ان دونوں سے بدلہ لینے کا یہی طریقہ ہے۔''

❁❁

ڈاکٹر مستفیض احمد عارفی

امتزاجی اسلوب کا توانا شاعر۔ منصور خوشتر

آر این ایم ہائر سیکنڈری اسکول للہر یا سرائے، دربھنگہ انڈیا

شعری ادب میں اسلوب کی بڑی اہمیت ہے اور اسلوب سے شخصیت کا رشتہ بڑا گہرا تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ شخصیت ظاہری اور باطنی امتزاج کیمیائی سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ جغرافیائی عوامل، علاقائی عوامل، شعور و آگہی، معیار و مزاج، سیاسی، تہذیبی اور ادبی رجحانات کے اثرات سے وجود میں آتی ہے۔ ادب میں نوعیت کے اعتبار سے اس کی دو صورتیں ہیں۔ نثری ادب اور شعری ادب۔ ان دو صورتوں کو وجود بخشنے والا انشا پرداز فنکار اور شاعر کہلاتا ہے۔ اسالیبی تفہیم کے تناظر میں ظاہری اور باطنی امتزاج کیمیائی کو سائنٹفک طریقہ سے قطعیت کے ساتھ جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ شاعر کی شخصیت طرز نگارش یا انداز بیان کو پرکھنے کے لئے یہ لازمی فریضہ ہے۔ یہی وہ تکنیک ہے جس سے صاحب اسلوب شاعر اور اس کے خصائص کا پتہ معلوم کیا جاتا ہے۔

عنوان کے پیش نظر منصور خوشتر ایک نوجوان شاعر کا نام ہے۔ جو خود دار ذمہ دار، علم پرور، صحافی اور مختلف ادبی سرگرمیوں سے دو چار رہنے والا شخص ہے۔ شعری ادب کے حوالے سے خوشتر سے متعلق اہل ذوق کا نقطۂ نظر عیاں ہے، رسائل میں اور اخبار میں دیکھنے کو ملا ہے۔ حالانکہ یہ ان کے شعری ماحصل کا پورا پورا احتساب نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ متھلانچل کے اس زرخیز وادی سے ہمارے بیچ کا نوجوان شاعر اس قدر حسّاسیت کے ساتھ شعر کہتا ہے تو اس کا جواز کیا ہے؟ اس لئے کہ ان کی شاعری میں عصری شعور، تجرباتی کیفیت کا پختہ معیار، ارضی حقائق سے متعلق اتار چڑھاؤ، معرفت الٰہی کے آداب، حسن و عشق کی جدت طرازی، لفظیاتی تراش اور تخلیقی رچاؤ کا عمدہ مثال ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو چند اشعار:

محبت کرنے والوں کا الگ اک اپنا مذہب ہے
وہ راہ عشق میں سود و زیاں دیکھا نہیں کرتے

کس لئے ان کے اثر فرق ہے
ایک ہے مسجد کی مندر کی

تو کسی کی بیاض ہے جیسے
ہر غزل انتخاب کیا کہنا

عشق صدجامہ چاک اپنی جگہ
حسن زیر نقاب کیا کہنا

ہم کو لکھنی تھی اک غزل لیکن
اپنے غم کا حساب لکھ

تیری قامت کی بات جب آئی
حسن کا اک نصاب لکھ بیٹھے

تم کو اپنا شمار کرتے ہیں
دیدہ و دل نثار کرتے ہیں

ان کا مشق ستم رہے جاری
جن کو ہم دل سے پیار کرتے ہیں

ہم بناتے ہیں پھول کانٹوں کو
آپ پھولوں کو خار کرتے ہیں

کوئی ایسا تو گلستاں ہوتا
جن میں اپنا بھی آشیاں ہوتا

حوصلہ ہے نہ قوت پرواز زیر پا ورنہ آسماں ہوتا
سینکڑوں قتل کیا جس نے ہی منصف ہے شہر کا ہے تیرے دستور نرالا
کچھ ایسی اب زمانے کی روش ہے کہ اندر جو بھی ہو باہر ہے بدلا
سڑک پر چلنے والے کو نہیں اتنی سی مہلت تڑپتی لاش کو بھی دیکھ کر رکتا نہیں ہے
اس میں بھی کچھ سازش ہوگی دشمن کی آپ ہمارے گھر آخر کیوں آئیں گے
بس اسی کو محبت سمجھتے ہیں وہ گاہے گاہے میرے گھر جو آتے رہے
عام لوگوں میں وہی فرد ہے اونچا کیسا ہے وہی شخص مگر گھر میں کمینہ کیسا
جس میں خوئے زمانہ ہو اس سے رشتہ کچھ استوار کیا کرتے
فیس بک اور ہے ٹیوٹر کا ہے زمانہ آیا کتنے اقدار جو اعلیٰ تھے وہ ہم سے گذرے

مذکورہ اشعار کوئی جادوگری اور کرشمہ اندازی کی مثال نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اور منصور خوشتر کا شعری مجموعہ ''کچھ محفل خوباں کی'' سے ماخوذ ہے۔ یہ ان کی پہلی کاوش ہے۔ اسلوبیات سے متعلق ان کی شاعری اپنے قاری سے پڑھوانے کی توانائی رکھتی ہے۔ اسلوب، اسلوبیات کی ایک اکائی ہے اور یہ اکائی موضوعی، معروضی، معنوی، لفظی اور مفروضی کسی بھی پیکر سے متعلق قاری کو توانائی عطا کرتی ہے۔

اس سطح پر خوشتر کی شاعری ہمیں امتزاجی اسلوب کے پیکر سے دو چار کراتی ہے۔ کہنے کو تو اسالیب کا اجتماعی پیکر ہی شاعری کی پہچان ہے۔ لیکن امتزاجی اسلوب کیا ہے؟ اور خوشتر کی شاعری اس سے کس حد تک متعلق ہے اس کی تفصیل امتزاجی اسلوب کی تعریف طئے کر لئے جانے میں مضمر ہے۔ میرا ماننا ہے کہ اجتماعی اسلوب کی شمولیت ہی امتزاجی اسلوب ہے، جو مختلف اسلوب کی آمیزش سے تشکیل پاتا ہے۔ اس میں شاعر اپنے ذمہ کچھ بھی التزام نہیں کرتا۔ مثلاً موضوعات، لفظیات، معنیات اور برتنے کا کوئی خاص وصف اپنے لئے مختص نہیں کرتا۔ جیسا کہ اردو شاعری میں شہرۂ آفاق شعراء کی پہچان ہے۔ حالانکہ اسّی عیسوی کے بعد کی شاعری میں پہچان بنانے والے شاعر نے ان تمام بندھنوں کو توڑا ہے۔ جو کلاسیکی اور نو کلاسیکی ترقی پسندی کا طرۂ امتیاز تھا۔ ان لوگوں نے موضوعات، معنیات، استعارات و تشبیہات اور تراکیب لفظی کو برتنے میں نارم کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ نارم شعری لوازم کو برتنے میں انحراف و اختلاف کی صورت کو کہتے ہیں۔ منصور خوشتر نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امتزاجی اسلوب کے اوصاف سے متصف ہو کر خوشتر اپنے خصائص سے بے پروا نظر آتے ہیں۔ یہی بے پرواہی شاعری کا حسن ہے، امتزاجی اسلوب کا وصف ہے، اور منصور خوشتر اپنے اسلوب کا توانا شاعر ہے۔ میں اپنی بات کو قطعیت اور معروضیت کی سطح پر بروئے کار لانے کے لئے موضوعات، لفظیات، معنیات اور استعارات و تشبیہات سے متعلق چند اشعار پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

بے وفا لوگوں سے خوشتر مت ملو پتھروں سے شیشے ٹکراتے ہو کیوں؟
میز بانی پہ تیری آنچ نہ آنے دوں گا تم بنا کے کبھی دیکھو مجھے مہماں اپنا
زندہ رہنے کے لئے تھوڑی محبت چاہئے اس سے پہلے ہے مگر لازم کہ صحت چاہئے
غم نہیں اس کا، محبت میں نہیں کچھ پا سکا مطمئن اس پر ہوں میں نے کچھ گنوایا بھی نہیں
میں کسی کو چھوڑ دوں تیرے لئے تجھ سے کچھ ایسی تو قربت بھی نہیں
محبت میں بھی ہم معیار کا کچھ پاس رکھتے ہیں کسی حالت میں بھی خودداری کا سودا نہیں کرتے
چاند پر ہم بھی خریدیں گے جگہ گھر بنائیں گے بسائیں گے تجھے
بہاروں پر تسلط ہے خزاں کا برا دن آگیا ہے گلستاں کا
مسکرا کر اس نے دیکھا ہی تو تھا دل میں کیوں ہے شورش طوفان کچھ
میں نے یہ سچائی جانی ہے بہت کھونے کے بعد دوستی اچھی نہیں ہوتی کبھی نادان کی
عمر بھر لکھتا رہا میں ریت پر اس کا ہی نام ہائے نادانی یہ کیسا کار طفلانہ کیا
ایک نمونہ جس سے بن جائے ہماری زندگی ایسے ہی لوگوں کی صحبت اور رفاقت چاہئے
مشکلیں جاں پہ کیا کیا اٹھاتے رہے پر محبت بھی ہم ہی نبھاتے رہے

مذکورہ اشعار میں لفظیات کا انتخاب، اس کا رکھ رکھاؤ اور اس کی پاسداری ماقبل شعری روایت سے الگ نہیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ لفظیات کی آمیزش اور تراش و خراش ماقبل شعری اسالیب کا نمونہ ہے۔ مثلاً بے وفا لوگ، پتھر، شیشہ، میز بانی، مہمانی، زندگی، مسرت، صحت، محبت، قربت، خودداری، چاند، گھر، بسنا، بہار، خزاں، گلستاں، مسکرانا، دیکھنا، شورش، طوفان، روشنی، دشمنی، نادان، ریت، کار طفلانہ، تاریک، حیات، محفل، عشق، سود و زیاں، مسجد، مندر، جامہ، چاک، نقاب، قتل، قاتل، منصف، شہر، سڑک، لاش، پھول، کانٹا، آسمان اور آشیاں جیسے لفظیات کے علاوہ خوشتر کی شاعری میں حسرت و یاس اور آرزوؤں کا انوکھا باب بھی ہے۔

مثلاً کانٹوں سے پھول بنانا، پھولوں کو خار ہوتے ہوئے دیکھنا، ان دیکھے گلستان کا تصور کرنا، آسمان کا زیر پا ہونا، قتل و غارت گری اور منصفی کی پر طنز کرنا، زمانے کی روش کا بدلا ہوا پانا، تڑپتی لاش کا تصور کرنا، گاہے بہ گاہے گھر آتے رہنے کو ہی محبت جاننا، میز بانی اور مہمانی کی روایت تسلیم کرنا، زندگی کی مسرت اور صحت کا خیال رکھنا، محبت میں سود و زیاں سے بے حس ہونا، محبت کا معیار طئے کرنا، خودداری کا امین ہونا، تجربہ کرنے کے بعد سچائی کا جاننا، نادانوں سے ترک تعلق کرنا، آئیڈیل زندگی کی آرزو کرنا، تواتر کے ساتھ مصائب کا بار گراں سہنا وغیرہ وغیرہ۔ تعجب ہے خوشتر کی شاعری میں مذکورہ لفظیات کی تراش و خراش اور اس سے بنا پیکر شاعر کے شعور کا عکس ہے۔ یہ عکس روشن بھی ہے، مدھم بھی ہے اور معدوم بھی ہے۔ تہذیب کی سطح پر، سماج کی سطح پر اور انسانی معیار و مزاج کی سطح پر اس کا آرٹ اور گراف دیکھا جا سکتا ہے۔

تو ہے محفل کی دلکشی اے دوست
تجھ سے میری ہے زندگی اے دوست

تو نہیں تو حیات ہے تاریک
تو ہی میری ہے روشنی اے دوست

اجنبی پر مت بھروسہ کیجئے
کر لیا تو جلد توبہ کیجئے

اپنے ذاتی مسئلے خوشتر کبھی
ہر کسی کو مت بتایا کیجئے

یوں تو دنیا میں کیا نہیں ہوتا
ایک تو ہی مرا نہیں ہوتا

لاکھ جبر و ستم وہ کرتا ہے
پھر بھی مجھ سے گلہ نہیں ہوتا

میں وہ عاشق کہ لوٹ جاتا ہوں
اس کا در جب کھلا نہیں ہوتا

جو بھلائی کرے نہ اوروں کی
اس کا ہرگز بھلا نہیں ہوتا

اس کا ہرگز بھلا نہیں ہوتا
تیرا خوشتر جدا نہیں ہوتا

اس طرح کی شاعری کوئی عام شخص نہیں کرسکتا ہے۔ اس سے ایک طرف شعری آفاقیت، ترسیل، موضوعات اور اس کی معنویت ظاہر ہوتی ہے تو دوسری طرف کلاسیکی اور نوکلاسیکی تخلیقی رچاؤ کا عمدہ نمونہ ملتا ہے۔ اردو کا عام قاری بھی مومن کو جانتا ہے اور مومن، غالب کے عہد کا عمدہ شاعر تسلیم کیا گیا ہے یہ جگ ظاہر ہے۔ غالب کے تعلق سے وہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ غالب اپنا پورا دیوان مومن کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا تھا اور کہا تھا کہ اس کے بدلے یہ شعر مجھے دیدو ''تم میرے پاس ہوتے ہو گویا، جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا'' کہا جاتا ہے کہ یہ شعر سہل ممتنع کا عمدہ مثال ہے اور اسی بحر میں خوشتر نے اپنی پوری غزل پیش کیا ہے۔ تخلیقیت خوشتر کی شاعری کا ماحصل ہے۔ غزلیہ آہنگ کا ایک اور نمونہ، پیکر، آرٹ، تلمیح اور عصری رچاؤ کا عمدہ مثال دیکھئے:

روپ بھرے رنگیلے چہرے
جاں کے دشمن ایسے چہرے

میرے ہوں کہ تیرے چہرے
اندر سے ہیں میلے چہرے

آپ کے چہرے سے ہیں بہتر
جو لگتے ہیں گندے چہرے

گر مجنوں کی آنکھ سے دیکھیں
سب سے اچھے کالے چہرے

نیتاجی نے کب دیکھا ہے
بھوکے سوکھے پیلے چہرے

خوشتر تیرے کیمرے نے تو
اکثر دیکھے دوہرے چہرے

یہاں غزل میں لفظ چہرے کی جھنکاریت اور اس کے آہنگ کو سمجھا جانا چاہئے۔ یہ آرٹ تو ہے ہی حقیقت پر مبنی آرٹ ہے۔ حقیقت اور آرٹ کا ایسا ملا جلا رنگ اردو شاعری میں خال خال ہی ملتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص محسوس کرے گا کہ اس طرح کا آرٹ مختلف پیکر میں مختلف روپ دھار کر آس پاس گرد وغبار سے لپٹا ہوا، سوٹ بوٹ پہنے ہوا، اسٹائلسٹ گاڑیوں پر سوار آنکھیں پھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کبھی کبھار شہروں کی بھیر بھار میں، گاؤں کے چوپال پر، کھیت کھلیانوں میں اور جھگی جھونپڑیوں میں بھی اس کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ شاعر کا آرٹ، انداز اور اس کی تکنیک ہے کہ چہرے کی مناسبت سے اک نیا چہرہ تراشا ہے۔ مجھے کہہ لینے دیجئے کہ نئی نسل میں منصور خوشتر کی شخصیت اردو شعری روایت کا امین ہے۔ عطا عابدی صاحب نے بڑے ہی متوازن انداز میں درج کیا ہے کہ:

''منصور خوشتر کی شاعری کو ہم منصور خوشتر کی عمر وفکر کی روشنی میں دیکھیں تو ایک گونہ مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ فکری وفنی پختگی ایک عمر کی ریاضت کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت جگہ ایک عمر کے بعد بھی یہ پختگی نہیں آتی۔ لیکن منصور خوشتر کے شعری اظہار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس انداز میں اپنی کاوش وفکر پیش کر رہے ہیں وہ ایک عمر کی ریاضت کے بعد ہی سہی پختگی سے نوازے گی۔''

عطا عابدی کی تفہیم کا متوازن انداز نرالا اور انوکھا ہے جو خوشتر کی شاعری کا مثبت طریقے سے احاطہ کرتا ہے۔ میری نظر میں منصور خوشتر امتزاجی اسلوب کا توانا شاعر ہے۔ اس لئے کہ ان کا شعری سرمایہ امتزاجی اسلوب سے ہمکنار ہوکر پڑھنے کی توانائی بخشتا ہے۔ اگر اس دائرے میں ان کی شاعری کو سمجھا جائے تو ان کی محنت پر یقینا کھلے دل سے تعریف کرنے کو جی چاہے گا اس تعلق سے ان کا ذہنی قد، ادبی قد اور فکری اطوار بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

❀❀

(10) عِدَّةُ الْمُؤْمِنِ كَأَخْذِ الْكَفِّ (کنزل العمال عن علی)
ترجمہ: مومن کا وعدہ ایسا سچا ہے جیسے کوئی چیز ہاتھ میں دے دی جائے۔

(11) لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ
(مسلم وابوداؤد عن عبداللہ بن عمر) ترجمہ: ہر بھلائی صدقہ ہے۔

(12) لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا (ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ)
ترجمہ: جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(13) مَا قَلَّ وَ كَفَى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَ أَلْهَى (مسند ابی الدرداء)
ترجمہ: تھوڑا اور کفایت کرنے والا (مال) اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غافل کردے۔

(14) الرَّاجِعُ فِي هِبَتِهِ كَالرَّاجِعِ فِي قِيئِهِ (نسائی عن ابی عباس)
ترجمہ: اپنی دی ہوئی چیز واپس لینے والا اس طرح ہے جو اپنی کی ہوئی قے واپس لے لے۔

(15) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ (ابن ابی شیبہ عن ابراہیم)
ترجمہ: بعض دفعہ مصیبت بات کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔

(16) اَلنَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمُشْطِ (ابن عدی عن انس)
ترجمہ: تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی مانند ہیں۔

(17) اَلْغِنَى غِنَى النَّفْسِ (بخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ)
ترجمہ: دولت مندی تو دل کی دولت مندی ہے۔

(18) اَلسَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ (مسلم وابن ماجہ عن عبداللہ بن مسعود)
ترجمہ: سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

(19) إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

علامہ محمد اقبال کی ظرافت

زکریا ورک
(ٹورنٹو کینیڈا)

ڈاکٹر سر محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں بازار چوڑی گراں کے مکان اقبال منزل میں بزم جہاں آراء ہوئے تھے۔ آپ کا خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ والد محترم کا نام شیخ نور محمد تھا۔ ابتدائی تعلیم مولانا میر حسن، مولانا مزمل، اور مولوی غلام حسین کی درسگاہوں سے حاصل کی۔ عربی اور فارسی ادب مولانا سید میر حسن سے پڑھا اور پھر انہی کی تجویز پر سکاچ مشن ہائی سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے، میونخ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ اور لندن سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں وفات پائی اور لاہور میں دفن ہوئے۔ لاہور میں آپ کا مزار بادشاہی مسجد کے پاس ہے جہاں ہزاروں مشتاقان اقبال دیدار کیلئے آتے ہیں۔

(۱) علامہ اقبال بچپن سے ہی شوخ طبیعت اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے۔ جب وہ بارہ سال کے تھے تو سکول پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ ماسٹر جی نے کہا اقبال تم دیر سے کیوں آئے ہو؟ آپ نے بے ساختہ جواب دیا جی اقبال ہمیشہ دیر سے آتا ہے۔

(۲) پنجاب کے مشہور قانون دان شہاب الدین علامہ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ ان کا رنگ سیاہ اور ڈیل ڈول زیادہ تھا۔ ایک روز سیاہ فام سوٹ اور سیاہ ٹائی لگائے ہائی کورٹ میں آئے۔ اقبال نے سرتاپا دیکھ کر کہا: چوہدری صاحب آج ننگے ہی چلے آئے۔

(۳) علامہ کے دوست نے ان سے کہا ایک دوست آپ کی نظم پر سخت تنقید کر رہے تھے۔ پوچھا کیا وہ شاعر ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ اقبال نے بڑی سنجیدگی سے کہا جو لوگ کچھ کرتے ہیں وہ اکثر خموش رہتے ہیں۔ جو کچھ بھی نہیں کر پاتے وہ تنقید کرتے ہیں۔

(۴) علامہ سے لاہور کے ایک مجذوب نے سوال کیا عقل کی انتہا کیا ہے؟ فرمایا حیرت۔ پھر سوال کیا گیا عشق کی انتہا کیا ہے؟ جواب دیا عشق کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مجذوب نے پوچھا کہ تو پھر آپ نے یہ کیوں لکھا ہے تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں؟ مسکرا کر جواب دیا شعر کا دوسرا مصرع بھی تو پڑھئے۔ میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر مجذوب نے نعرہ لگایا اور وہاں سے چلا گیا۔

(۵) علامہ اقبال جب کیمبرج میں متعلم تھے تو ان کے بھائی شیخ عطاء محمد نے ان کو لکھا کہ اب بیرسٹری کرنے کے بعد واپس آجاؤ۔ لیکن علامہ کا ارادہ ڈاکٹریٹ کرنے کا تھا۔ اسلئے انہوں نے برادر اکبر کو لکھا کچھ اور پیسے بھجوائیں تا جرمنی جا کر پی ایچ ڈی کرسکوں۔ بھائی صاحب انہی دنوں سیالکوٹ میں بے تکلف دوستوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے پوچھا کیوں شیخ صاحب سنا ہے اقبال نے ایک اور ڈگری لے لی ہے۔ بھائی نے جواب دیا بھئی ابھی تک تو وہ ڈگریوں پر ڈگریاں لئے جا رہا ہے۔ خدا جانے ان ڈگریوں کا اجراء کب ہوگا؟

(۶) علامہ ساری عمر اسلامی روایات، اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں شاعری لکھتے رہے۔ مگر ڈاڑھی نہیں رکھتے تھے۔ ایک مولانا اپنے مقدمے کے سلسلے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ وہ اپنی بہن کو جائیداد سے محروم رکھنا چاہتے تھے۔ علامہ کو اس مقدمہ سے دلچسپی نہ تھی، ہر بار وہ کسی نہ کسی مشورہ کیلئے آدھمکتے۔ جب بھی آتے داڑھی رکھنے کی نصیحت کرتے۔ ایک روز علامہ ان کے نصائح سے تنگ آکر گویا ہوئے۔ مولانا آپ کی تلقین کا مجھ پر اثر ہوا ہے اور میں نے عہد کیا ہے کہ آپ کے ساتھ ایک عہد کروں۔ یہ بجا ہے کہ مسلمان کے چہرے پر داڑھی نہ ہونا غلط ہے۔ لیکن اسلام میں بہن کو وراثت سے محروم کرنا بھی تو غلط ہے۔ لائے اپنا ہاتھ میں داڑھی رکھ لیتا ہوں اور آپ اپنی بہن کو وراثت سے محروم نہ کریں۔ نہ تو مولانا کا ہاتھ بڑھا اور نہ علامہ کی داڑھی۔

(۷) ایکدفعہ علی گڑھ میں مشاعرہ ہو رہا تھا۔ صاحبانِ ذوق دُور دُور سے شرکت کیلئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ علامہ اقبال بھی موجود تھے۔ چند مقامی شعراء نے مشاعرے کے اختتام پر علامہ کو پریشان کرنے کیلئے اس مصرعہ پر گرہ لگانے کو کہا: مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں۔ علامہ طبعاً ایسے بکھیڑوں سے گریز فرماتے تھے۔ جب اصرار بڑھا تو یہ مصرعہ لگا کر شعر مکمل کر دیا۔ اشک سے دشت بھریں، آہ سے سوکھیں دریا... مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں۔

(۸) لاہور کے میاں بشیر احمد کو علامہ اقبال اکثر مولانا بشیر کہہ کر وصول کیا کرتے تھے۔ ایک بار میاں صاحب نے مسکرا کر احتجاج کیا: ڈاکٹر صاحب میں کہاں کا مولانا ہوں؟ جواب ملا واہ واہ مولانا کوئی بری بات نہیں ہے۔ کیا مولاناؤں کے سر سینگ ہوتے ہیں؟ بھئی آخر کچھ تو عربی جانتے ہونا۔

(۹) پیسہ اخبار کے ایڈیٹر مولوی محبوب عالم نے علامہ کی کوئی نظم چھاپنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس پر ان کی ہجو میں یہ شعر کہا

آجکل لوگوں میں ہے انکار کی عادت بہت
نام ''محبوبان عالم'' کا عبث بدنام ہے

(۱۰) ایک دفعہ پروفیسر احمد خاں، سعید اللہ اور پروفیسر عبد الواحد علامہ کے گھر گئے۔ کچھ دیر بعد مولانا عبد المجید سالک اور غلام رسول مہر بھی پہنچ گئے۔ افطاری کے وقت علامہ نے گھنٹی بجائی تو علی بخش حاضر ہوا۔ حکم دیا افطاری کیلئے سنگترے، کھجوریں، کچھ نمکین اور کچھ میٹھی چیزیں، جو ہو سکے لاؤ۔ سالک نے عرض کیا جناب اتنا سامان منگوانے کی کیا ضرورت ہے سب بے تکلف ملاقاتی ہی تو ہیں۔ جواب ملا سب

کچھ، تو رُعب جمانے کیلئے کہہ دیا ہے کچھ نہ کچھ تو لائیگا۔

(۱۱) ایک صاحب علامہ اقبال سے ملاقات کیلئے آئے، اور دعویٰ کیا کہ خدا ان سے باتیں کرتا ہے۔ علامہ نے فرمایا اپنے خدا کی ساری باتیں نہ مان لینا ذرا سنبھل کے بعض وہ یونہی باتیں کر دیتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر اقبال کو اپنے تازہ خوشخبری دیتے ہوئے کہا: ۱۹۳۸ء میں وہ ہندوستان کا بادشاہ بن جائیگا اور دلی کو اپنا پایہ تخت بنائیگا۔ علامہ نے فرمایا اس وقت نہ جانے ہم کہاں ہوں گے البتہ ہمارے فرزند جاوید کو نہ بھولئے گا۔ اسے مہرولی کا علاقہ ضرور بخش دینا۔ اس کے بعد وہ علامہ کی مرض الموت میں ان سے ملنے آیا اور آپ نے مجھے پہچانا تو ہوگا۔ علامہ نے تکلیف کے باوجود مسکرائے اور کہا ہم اور آپ کو نہ پہچانیں۔ ولی راولی می شناسد

(۱۲) جس زمانے میں مانٹیگو چیمز فورڈ اصلاحات کا نفاذ عمل میں آیا تو ہندوستان میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی گہما گہمی شروع ہوئی اور گلی گلی جلوس نکلنے لگے۔ ان میں نوجوان طبقہ اس مصرعہ کو بار بار دہراتا تھا: ووٹ حاضر ہے اگر چائے کی پیالی مل جائے۔ اس مصرعہ کی بازگشت جب علامہ مرحوم تک پہنچی تو انہوں نے فوراً کہا۔ چلبلی شوخ طرحدار نرالی مل جائے... نوجواں مرتے ہیں جس پر وہی بالی مل جائے... ووٹ حاضر ہے اگر چائے کی پیالی مل جائے... یاد رہے کہ بالی اس زمانے میں لاہور کی مشہور مغنیہ اقبال عرف بالی تھی۔

(۱۳) موچی دروازے میں ایک حکیم کا بڑا مطب تھا جس پر بڑے بڑے دلآویز بورڈ آویزاں تھے۔ حکیم صاحب چرب زبان تھے کسی مریض کا ان کے چنگل سے نکل جانا محال تھا لیکن شفاء ان سے کوسوں دور بھاگتی تھی۔ موچی دروازے میں ہیں فخر اطبائے زماں... ان سے امید شفا لیکن خیال خام ہے

(۱۴) مولانا چراغ حسن حسرت کا بیان ہے کہ اکثر لوگ جو باہر سے لاہور کی سیر کرنے آتے علامہ کی کوٹھی پر حاضر ہونا لازمی جانتے تھے۔ کیونکہ اگر لاہور گئے اور ڈاکٹر اقبال کو نہ دیکھا تو کیا دیکھا؟ ایسے لوگ بھی تھے جو ان کے نام کیساتھ ڈاکٹر لکھا دیکھ کر علاج کروانے چلے آتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان سے دانت نکلوانے چلا آیا۔ جواب ملنے پر بہت حیران ہوا کہ یہ کیسے ڈاکٹر جنہیں دانت نکالنا ہی نہیں آتا۔

(۱۵) سوامی دام تیرتھ کے علامہ سے اچھے مراسم تھے۔ سوامی کی وفات کے کئی سال بعد ان کا بیٹا جو برطانیہ سے واپس آیا تھا علامہ سے ملنے آیا۔ علامہ نے پوچھا آپ کا کیا شغل؟ جواب ملا میں انگلستان سے کان کنی کا کام سیکھ کر آیا ہوں۔ علامہ نے مسکرا کر برجستہ کہا آپ کے والد تو آسمان کھودا کرتے تھے اور آپ زمین کھودیں گے۔

❁❁

امجد مرزا امجد کے چالیس افسانے

محسنہ جیلانی (لندن)

محسنہ جیلانی کا نام افسانے کی دنیا میں جانا پہچانا ہے۔ ان کے دو افسانوں کے مجموعے ''بکھرے لوگ'' اور ''عذاب بے زبانی کا'' پھر ایک ناولٹ ''میں دہشت گرد ہوں'' خوب پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ محسنہ جیلانی بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں۔ ان کے شوہر محترم آصف جیلانی ممتاز کالم نگار اور صحافی ہیں۔

محسنہ نے بچپن سے ہی شعر اور کہانیاں لکھنا شروع کر دی تھیں۔ ان کی کہانیاں ''کھلونا، بانو اور شمع'' میں شائع ہوتی رہیں۔ پھر لندن آ کر ''مشرق'' میں خواتین کے مسائل پر کالم لکھتی رہیں۔ روزنامہ جنگ شروع ہوا تو خواتین کے صفحہ ادارات کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اس کے بعد بی بی سی لندن کی اردو سروس سے خواتین کے لئے نشر ہونے والے پروگرام ''برگ گل'' میں باقاعدہ حصہ لیا۔ ''برگ گل'' نام کی ادبی تنظیم بھی بنائی جس نے ادب میں کافی کام کیا۔ وہ بی بی سی کے انٹرنیشنل آڈینس ریسرچ میں بھی کام کرتی رہیں۔

محسنہ جیلانی صاحبہ اس سے قبل بھی میرے ایک مجموعہ ''تنہائیاں'' میں لکھ چکی ہیں۔ ان کی محبت ہے کہ انہوں نے اس بار بھی میرے افسانوں پر بڑی خوبصورت رائے دے کر میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ جس کے لئے میں ان کا شکر گذار ہوں۔

(امجد مرزا)

اردو افسانہ نگاری کی روایت خاصی پرانی ہے۔ پچھلی نصف صدی کے افسانہ نگاروں نے اپنے دور میں ظہور پذیر ہونے والے حالات جہالت' بھوک' بے روزگاری اور معاشرے میں ہونے والے استحصال پر بہت دل پذیر اور رومان پرور افسانے لکھے۔ پھر تقسیم کے بعد افسانے کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے افسانے کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا اور پھر ساٹھ اور ستر کی دہائی میں نقل وطن کرنے والے برطانیہ میں آباد لکھاریوں نے ایک نئی سمت کا آغاز کیا اور اجنبی ملک کی تہذیب' ثقافت' نئے معاشرے کے تجربات اور مشاہدات کو اپنے فن کا موضع بنایا اور بہت اچھے اچھے افسانہ لکھے گئے۔ ان تمام لکھنے والوں میں ایک اہم نام امجد مرزا کا بھی ہے۔ انہوں نے بہت تھوڑے عرصے میں برطانیہ کی ادبی زندگی میں ایک معتبر مقام حاصل کر لیا ہے۔ وہ ایک منجھے ہوئے افسانہ نگار کی حیثیت سے منظر عام پر آئے ہیں۔ انہیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مغربی معاشرہ پر ان کی نظر بہت گہری ہے۔ اسکولوں میں جنسی تعلیم' ٹیلیوژن' انٹرنیٹ اور معاشرہ میں کھلے عام جنسی بے راہ روی نقل مکانی کرنے والوں کی نئی نسل کو بہت متاثر کر رہی ہے جب کہ پہلی اور دوسری نسل بھی اس سے متاثر نظر آتی ہے۔ خارجی اور داخلی ذہنی کشمکش کا شکار لوگ' تہذیبوں کا تصادم'

جنسی بے راہ روی تہذیبی شکست و ریخت کے دروازہ پر کھڑا انسان مشرقی اقدار کی پامالی پر نوحہ کرتا نظر آتا ہے۔ امجد مرزا کے افسانے پچھلی نسل کے زخموں پر نشتر زنی کر رہے ہیں۔ چند دنیاوی آسائشوں کے بدلے کیا کھویا اور کیا پایا یہ ایک اہم سوال ہے جو ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑتا ہے۔ افسانہ نگار کا کام مسائل' برائیوں اور دکھوں کی نشان دہی کرنا ہے مسئلہ کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ امجد مرزا کی تمام کہانیاں فکر انگیز ہیں اور دیر تک ذہن کا پیچھا کرتی ہیں اور ہمارے احساسات پر کوڑے لگاتی ہیں اور یہی اچھی کہانی کی خوبی ہے۔ ان کی بعض مختصر ترین کہانیاں سادہ الفاظ میں لکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے جملے بڑے بڑے مسائل کی نشان دہی کرتی ہیں۔ اور یہ ایک بڑی بات ہے۔ یہ ساری کہانیاں من گھڑت نہیں ہیں بلکہ ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے لوگوں کی کہانیاں ہیں جسے انہوں نے بڑی سفاکانہ سچائی اور حقیقت کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ میکسم گورکی کا قول ہے ۔''ماضی کے بت پوجنے والے شاعرو! حال کی برائیوں کو چھپانے والے ادیبو اور مستقبل پر تاریکی کا پردہ ڈالنے والے افسانہ نگارو مٹ جاؤ ورنہ تاریخ تمھیں مٹا دے گی'' امجد مرزا کی دس کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں یہ ان کی گیارھویں کتاب ہے۔ ان کے قلم کی تیز رفتاری اور ذہنی اپج پر رشک آتا ہے۔ ایسے بسیار نویس کی موجودگی میں اب کون کہہ سکتا ہے اردو پر زبان پر زوال آ رہا ہے۔ خدا کرے ان کا قلم اردو ادب کی ترقی کے لئے اسی تیز رفتاری سے گام زن رہے۔

(محسنہ جیلانی، 7 فروری 2010ء)

(20) عَفْوُ الْمُلُوكِ اِبْقَاءٌ لِلْمُلْكِ (الرافع عن علی)

ترجمہ: بادشاہوں کا معاف کر دینا ان کی سلطنت کی بقا کا باعث ہوتا ہے۔

(21) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (بخاری و مسلم عن عبداللہ)

ترجمہ: آدمی اُس کے ساتھ ہے جسکے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔

(22) مَا هَلَكَ امْرِءٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ (قاضی عیاض عن علی)

ترجمہ: وہ شخص کبھی ہلاک نہیں ہوتا جس نے اپنی حقیقت پہچان لی۔

(23) اَلْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ (بخاری و مسلم عن عائشۃ و ابو ہریرۃ)

ترجمہ: بچہ بستر والے (عورت کے خاوند) کا ہوتا ہے اور بدکار کے لئے پتھر ہیں۔

(24) اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى (بخاری عن حکیم بن حزام)

ترجمہ: اوپر کا ہاتھ نچلے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔

(25) لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ (ترمذی ابوداؤد عن ابی ہریرہ)

ترجمہ: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

(26) حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَ يُصِمّي (ابوداؤد عن ابی ھریرہ)

ترجمہ: تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

تسلیم الٰہی زلفی

(سوانحی، شخصی، تخلیقی اور اعزازی امتیازات)

قلمی سرکاری نام: تسلیم الٰہی زلفی۔ خاندانی نام۔ تسلیم الٰہی قریشی۔

والد کا نام۔ نسیم الٰہی قریشی۔ قومیت: پاکستانی۔کینیڈین۔

تاریخ پیدائش: 13 جولائی 1947ء بروز اتوار ساڑے چار بجے۔

مادری زبان:

اردو اس کے علاوہ عربی انگریزی اور فارسی کی درسگاہوں سے مکمل تعلیم حاصل کی۔

ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم:

مدرسۃ الفلاح جدہ سعودی عربیہ، ماسٹر انجینیر انجینرنگ کراچی یونی ورسٹی پاکستان، ماسٹرز انگریزی ادب امریکن یونیورسٹی بیروت لبنان ڈپلوما: Aircraft GSE Maintenance Texax USA

ملازمت: Technical Co-ordinator۔

اولاد: نعمان، نادیہ، ھدیٰ، فریال (چاروں شادی شدہ کینڈا) عالمی سیاحت: وہ ممالک جہاں 1969ء سے تا حال مستقل آمد و رفت ہے۔ انگلینڈ، امریکا، کینیڈا، جرمنی فرانس، سوئزلینڈ، نیدر لینڈ، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، اٹلی، ترکی۔ مصر، لبنان، سوڈان، ریاستیں، سعودی عربیہ، جاپان، ہونگ کانگ، تھائی لینڈ، انڈیا، پاکستان وغیرہ۔

دلچسپی کا شعبہ: شعری اور نثری ادب نقطہ و نظر تجزیہ نگاری۔ صحافتی ادارات: ویکلی کراچی پاکستان (1960–1968) مستقل کالم نگاری: کینڈین اخبارات میں مقامی اور بین الاقوامی موضوعات پر 1990ء سے تا حال۔ زمانہ طالب علمی میں۔

ریڈیو پاکستان کراچی، پاکستان ٹیلی ویژن کراچی پر تعلیمی پروگراموں کی میزبانی 1962–1968ء)

ٹی وی میڈیا ٹورنٹو کینڈا 2000ء تا حال صدر اردو ٹی وی کینڈا۔ عالمی ادبی اور سماجی وابستگی بانی سربراہ کراچی یونیورسٹی گریجویٹس فورم کینڈا 2000ء تا حال ایگزیکٹیو ڈائرکٹر انجمن اُردو کینڈا اردو سوسائٹی آف کینڈا۔ بانی حفظ الکبیر القریشی (مرحوم) سرپرست فیض احمد فیض مرحوم 1972ء تا حال سربراہ: اردو ٹی وی کینڈا کُل وقتی ساؤتھ ایشین اردو چینل۔ راجرس کیبل 851۔ چیف آرگنائزر ریڈیو پاکستان کراچی بزم طلباء فورم کینڈا سرپرست یاور مہدی۔

تصنیفات: شہر افکار (شاعری) 1967ء دستاویز (شاعری) 1983ء دنیائے تصوف (عالم اسلام کے عظیم المرتبت روحانی پیشوا حالات زندگی اور تعلیمات) مطبوعہ 1989ء تنہا پرندے کی اُڑان (شاعری) 1990ء سخنور بہت اچھے ہیں (اہل قلم پر تنقیدی مضامین خاکے اور منظومات) 1992ء آگرہ سے نیاگرہ (سیاسی نظمیں عالمی سفر

نامے) 1994ء۔سات سمندر پار اردو انگریزی نظمیں مطبوعہ 1994ء۔ابابیل نہیں آئیں (عالمی اہل واقعاتی نظمیں) 1995ء۔سلسلہ تکلم کا (کینڈین اخبارات میں مقامی اور بین الاقوامی موضوعات پر مستقل شائع ہونے والے کالم) 2005ء۔میری کتابیں (9 تصنیفات کا مجموعہ) 1016 صفحات 2006ء۔ڈاکٹر عبداللہ جاوید (شخصیت وفن تنقیدی جائزہ) 2008ء۔''سفر اردو'' تسلیم الٰہی زلفی شخصیت و فن (75 ممتاز اہل نقد ونظر کے تنقیدی جائزے) زیر اہتمام اردو رائٹر سوسائٹی انگلینڈ 2009ء۔اُردو ناول کی دریافت (ناول نگاری کا تنقیدی جائزہ) 2010ء۔فیض احمد فیض بیروت میں (جلاوطنی کا دوسرا پڑاؤ) اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد مطبوعہ 2011ء۔مغربی دنیا کے اردو اہل قلم (یورپ امریکا اور کینڈا میں آباد 150 اہل قلم کا تنقیدی اور تجزیاتی جائزہ) 800 صفحات دوسری اشاعت 2014ء۔

یہ عشق بھی عجیب ہے (ساتواں شعری مجموعہ) اردو عربی فارسی اور انگریزی کا کال کا انتخاب 450 صفحات دوسری اشاعت 2014ء عندلیب گلستان شاعری (صباء اکبر آبادی تحقیق اور تنقید) بختیار اکیڈمی 2012ء۔اعزاز، اسناد، نقد انعامات، میڈل، شیلڈ۔شاہ فیصل سعودی عرب کی طرف سے نقد انعام۔نیشنل کالج کراچی کے طالب علم تسلیم الٰہی زلفی نے بادشاہ سلامت کا پوٹریٹ بنا کر کراچی ایر پورٹ پر استقبال کرنے والوں کی صف میں صدر پاکستان ایوب خان کی موجودگی میں شاہ کو پیش کیا۔1965ء۔بہترین کمپیئر بزم طلباء یونیورسٹی میگزین پروگرام ایوارڈ ریڈیو پاکستان کراچی کی جانب سے 1968ء۔صدر پاکستان کی معیت میں خانہ کعبہ اور روزہ رسول ﷺ کی اندر حاضری 1978ء۔رُکن NASA کیلیفورنیا USA پلانیٹری ریسرچ سرکاری ادارہ 1978ء تا حال۔بین الاقوامی ممتاز مشاعرہ ایوارڈ۔عالمی اردو کانفرنس نئی دہلی انڈیا 1984ء۔حسن کارکردگی بیورو گولڈ میڈل بیس سالہ پیشہ ورانہ خدمات پر سعودی عربین ائر لائنز جدہ ائر پورٹ۔اعلیٰ ادبی تخلیقی صلاحیت کی اعتراف سند و میڈل حکومت اورانٹار یو بمقام پارلیمنٹ ہاؤس آٹوء کینڈا 1994ء۔بہترین شاعر ایسٹر نیوز کینڈہ کی جانب سے 1999ء۔بہترین نغمہ نگار ٹورنٹو فلم پروڈیوسرز کی جانب سے 2000ء کلیدہ خطاب کینیڈا اردو کی نئی بستی اردو فیسٹیول لندن انگلینڈ۔رائٹر فورم کینڈا کی پچیس سالہ خدمات پر اعتراف شیلڈ 2008ء۔ایکسی لینسی ایوارڈ پریمر اونٹار یو کینیڈا ڈیلٹن مگنیٹی کی جانب سے 2009ء جوئیل آف دی ساؤتھ ایشیشن کمیونٹی ایوارڈ محفل گروپ کی جانب سے 2010ء۔ستارہ امتیاز حکومت پاکستان کا سول ایوارڈ اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کی نامزدگی 2011ء۔سفیرِ ادب ایوارڈ سخنور کینڈا کی جانب سے 2011ء۔ادب انٹرنیشنل ایوارڈ گولڈ میڈل اور شال ساحر کلچرل اکیڈمی لدھیانہ انڈیا کی جانب سے 2011ء۔وقار اردو ایوارڈ تہذیب اردو دہلی انڈیا کی جانب سے 2011ء۔افتخار اردو ایوارڈ یورپین اردو رائٹرز سوسائٹی لندن کی جانب سے 2011ء۔لٹریری اسکالر ایوارڈ شریف اکاڈمی جرمنی کی جانب سے 2011ء۔فیض احمد فیض ایوارڈ، بزم ادب کوپن ہیگن ڈنمارگ کی جانب سے 2011ء۔آفتاب اردو ایوارڈ پاکستان آرٹس کونسل کویت کی جانب سے 2011ء۔سخن شناس ایوارڈ ورلڈ پیس اینڈ لٹریری فورم لاہور پاکستان کی جانب سے 2011ء۔وثیقہ اعتراف کمال ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کی جانب سے 2011ء۔ایکسی لینس ایوارڈ۔انڈو پاک فرینڈ شپ ایسوایشن کی جانب سے 2011ء ایکسی لینسی ایوارڈ۔RCCA.TV مانٹریال کینڈا کی جانب سے مغربی دنیا میں اردو ادب کی ترویج کے لئے 2011ء۔تمغہ فروغ اردو۔دنیائے مغرب غالب میموریل ٹرسٹ لاہور پاکستان 2011ء۔روزن ادبی ایوارڈ ورلڈ پنجابی فورم روزن ادبی فورم گجرات پاکستان 2011ء۔ایسٹ لٹریری اسکالر ایوارڈ پریڈ آف نیشن کارنوال کینڈا کی جانب سے 2012ء۔افتخار اردو ادب شیلڈ اردو تحریک یوکے کی جانب سے 2012ء۔اعتراف کمالِ فن اردو ادب۔شیلڈ بزم شعر وادب برطانیہ کی جانب سے 2012ء۔محافظ اردو ادب شیلڈ یورپین اردو رائٹرز سوسائٹی یوکے کی جانب سے 2012ء۔شیلڈ آف آنر شریف اکاڈمی جرمنی کی جانب سے 2012ء۔اعتراف کمال فن اعزازی شیلڈ استنبول یونیورسٹی ترکی فارن لینگویج فیکلٹی کی جانب سے انعقاد شام زلفی کے ساتھ 2012ء۔

پاسبان اردو ایوارڈ سفارتخانہ پاکستان برلن بین الاقوامی منسٹری اور ینٹار یو کینڈا کی جانب سے پچاس سالہ تخلیقی کارکردگی کے اعتراف میں 2012ء۔ایشین ہیریٹج کینیڈا ایوارڈ پروفیشنل کلچرل اینڈ ہیری ٹیج منسٹری اورنٹار یو کینڈا کی جانب سے مئی 2013ء۔اعراف کمال فن ایوارڈ پچاس سالہ علمی ادبی تخلیقی۔اشاعتی اجرائی اور انتظامی خدمات اور کارکردگی کے اعتراف میں جہان اردو برمنگھم انگلینڈ اکتوبر 2013ء۔عالمی سفیر امن ایوارڈ۔ڈنمارک کلچرل منسٹری کی جانب سے کوپن ہیگن میں منعقدہ اعزازی تقریب اکتوبر 2013ء میں پیش کیا گیا۔وثیقہ اعتراف کمال فن انجمن ترقی اردو پاکستان تقریب پزیرائی منعقدہ کراچی مارچ 2014ء۔

(27) جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا وَ بُغْضِ مَنْ اَسَاءَ اِلَیْھَا (بیہقی عن ابن مسعود) ترجمہ: دلوں میں اپنے ساتھ احسان کرنے والی کی محبت اور برائی کرنے والی کی محبت ڈال دی گئی ہے۔

(28) اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ (ابن ماجہ عن عبداللہ)

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہوتا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

(29) اَلشَّاھِدُ یَرَی مَنْ لَا یَرَاہُ الْغَائِبُ (احمد عن علی)

ترجمہ: حاضر آدمی وہ کچھ دیکھتا ہے جو غیر حاضر نہیں دیکھتا۔

ہمارے ممبران اِیوان بالا وزیریں

رانا عبدالرزاق خان۔لندن

ہماری قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کی اوچھی حرکات نے ثابت کر دیا ہے۔کہ وہ اخلاق باختہ، انسانیت سے نابلد، دین سے بے خبر، اکثر اپنے مقام سے بھی بے خبر اور اپنے فرائض سے، بھی غافل ہیں۔ضیاع الحق کے زمانے میں ایک وائٹ پیپر شائع ہوا تھا۔پیپلز پارٹی کے اسمبلی ممبران کے متعلق۔مگر اب تو وہ برائیاں موجودہ ممبران میں دوصد فی صدی بڑھ چکی ہیں۔اب تو سب ناجائز کام جائز ہو چکے ہیں۔اب لوٹ مار قانونی ہو چکی ہے۔اب زنا، چوری، اغواء، شراب خوری، ملاوٹ، حکومت کا مال کھانا کسی حد تک جائز ہو چکا ہے۔دھونس دھاندلی، جعلی ڈگری، جعلی شناختی کارڈ، ہر قسم کے جعلی سرٹیفکیٹس، جائز ہو چکے ہیں۔ہمارے اکثر ممبران کسی نہ کسی مقدمے میں NAB کو مطلوب ہیں۔

ہمارے صدر، وزیر اعظم سابقہ ہوں یا موجودہ سب پانامہ لیکس کے مطابق ڈاکو ہیں۔ہمارے نام نہاد علما کرام، حج سکینڈلز، ملاں ڈیزل، طالبان، وغیرہ میں ملوث ہیں۔RAW، موساد، سی آئی اے، سعودیہ، داعش، کے پکے ایجنٹ بن چکے ہیں۔حکومت کی گرانٹس کھانا فیشن بن چکا ہے۔اپنے علاقے کے علمائے سُو کو اپنے ساتھ نتھی رکھنا، پھر الیکشنز میں ان کی مدد سے جیتنا ضروری ہو گیا ہے۔پھر علمائے سُو کی اشیر باد کے لئے ان کے ناجائز فتاویٰ کو ماننا اُن پر واجب ہے۔اُن کے پیروں کی قبور پر عرس میں جانا ضروری ہے۔تھانے میں ان کی جائز ناجائز مدد کرنا بھی ان کا فرض ہے۔غریب عوام پر اپنے ظالمانہ فیصلے مسلط کرنا بھی ممبران اسمبلی کا خاصہ ہے۔ان کی جہالت اور بے راہروی کا رونا کس طرح رویا جائے کہ ان سب کو اپنے مقام کی اطلاع ہو جائے۔پچھلے دنوں تو ان ممبران نے اپنے پیٹ پر یوں ہاتھ پھیرا کہ شکم پُری کی حد ہی کر دی۔اگر یوں ہی ان کے اختیارات بڑھتے گئے تو ملک میں کیا بچ پائے گا۔ہمارے نمائندے یہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ اپنی تنخواہ جتنی چاہیں بڑھائیں، چنانچہ انہوں نے اپنی تنخواہیں ۴۰۰ گنا تک بڑھائی ہیں۔مثلاً ایک رکن اسمبلی کی بنیادی تنخواہ چھتیس ہزار چار سو تئیس روپے ہے۔اب اس میں اضافہ کر کے دو لاکھ روپے کر دیا گیا۔یوٹیلٹی الاؤنس پچاس ہزار روپیہ ماہانہ، ٹرانسپورٹ الاؤنس پچاس ہزار روپیہ ماہانہ، دفتر کی تزئین و آرائش کے لئے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ رکھے گئے ہیں۔چیئرمین سینٹ اور سپیکر کی تنخواہ چار لاکھ روپیہ ماہانہ، ڈپٹی اسپیکر اور ڈپٹی چیئرمین کی تنخواہ تین لاکھ روپے ماہانہ پانچ سال میں ایک مرتبہ تین لاکھ روپے آئی ٹی الاؤنس لے سکے گا۔علاوہ ازیں کئی مراعات ایسی ہیں جو ان ممبران کے ووٹر حضرات کے تصورات میں بھی نہیں آسکتیں۔سوائے حیرت کے ان کے حلقہ انتخاب کے حصے میں اور کچھ نہیں آتا۔ان کے رُعب داب کا یہ عالم ہے کہ کسی سے ناراض ہوں تو اس کے منہ میں جوتا ڈال کر اس سے معافی طلب کرتے ہیں۔کیا یہ فرعونیت ہے کہ اسلام۔

اسلام کے ٹھیکیدار بھی بنے پھرتے ہیں۔نماز تو دُور کی بات ہے۔قل ہو اللہ تک صحیح نہیں پڑھ سکتے۔اس حد تک پستی اختیار کر چکے ہیں۔۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو جو ناٹ مسلم قرار دینے کا ایسے ہی بلکہ ان سے بھی بڑھ کر جاہل ممبران نے فیصلہ کیا تھا۔تو اُس فیصلے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔پہلے تو ہر کسی کو انسان بن کر پھر اس کے بعد مسلمان بن کر ایسی اوچھی حرکات پر غور کرنا چاہیئے۔کہ کیا ہم سب کو اپنا پیٹ بھرنے کو ہی ترجیح دینی چاہیئے۔خدا اور رسول کا خوف نہیں۔قوم کا کوئی خیال نہیں۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کا کوئی خیال نہیں۔یہ کیا ہو رہا ہے۔ہم ساری دنیا میں تماشا بن کر رہ گئے ہیں۔ہمارا اخلاق یہودیوں سے کیوں مشابہ ہے۔یہ تو جانوروں جیسے افعال ہیں۔کیا ہم کسی متناسب انسان جیسے بھی اعمال بجالا رہے ہیں۔جس دنیا میں رہ رہے ہیں اُن اصولوں پر چل رہے ہیں۔پانامہ لیکس پر معقول اقوام کے وزراء اعظم مستعفی ہو رہے ہیں اور ہمارے وزیر اعظم ڈھیٹ بن کر بوگس تاویلیں پیش کرنے میں مگن ہیں۔اور احمقوں کے گھیرے میں ہیں۔اس قوم کا کیا بنے گا۔افسوس آتا ہے حالات کو دیکھ کر کہ کہاں ہے وہ قائد اعظم محمد علی جناح کی قوم، یہ تو ساری قوم چاندی کی چمک کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔پاکستان کا مطلب کیا (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) مگر یہ قوم کس کی پوجا میں مبتلا ہے۔اے اللہ اس قوم پر رحم کر۔

(30) اِذَا جَاءَ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ (طبرانی عن جریر)
ترجمہ: جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو تم اُس کی عزت کرو۔
(31) اَلْیَمِیْنُ الْفَاجِرَۃُ تَدَعُ الدِّیَارَ بَلَاقِعَ (بخاری و مسلم عن عبداللہ بن عمر) ترجمہ: جھوٹی قسم گھروں کو اُجاڑ دیتی ہے۔
(32) مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ (بخاری و مسلم عن عبداللہ بن عمر)
ترجمہ: جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے۔
(33) اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ (بخاری و مسلم عن عبداللہ بن الخطاب)
ترجمہ: اعمال نیت پر موقوف ہے۔
(34) سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (بیہقی عن سہل بن سعد)
ترجمہ: قوم کا سردار اُن کا خادم ہوتا ہے۔
(35) خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (ابن شیبہ و بیہقی عن مطرف)
ترجمہ: بہترین چیز میانہ روی ہے۔
(36) اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْ اُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ (ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ)
ترجمہ: اے اللہ میری امت کی جمعرات کی صبح کے سفر میں برکت ڈال دے۔

حاصل مطالعہ

مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب

ملکی اخبارات سے مفید حوالے

قتال پر مبنی انقلاب کی خواہش

ڈاکٹر علی اکبر الازہری صاحب اپنے کالم متاعِ کارواں میں لکھتے ہیں:

جماعت اسلامی کے سابق امیر محترم منور حسن نے بڑے صاف اور واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ ''قتال فی سبیل اللہ کے بغیر ہمارے اس معاشرے میں انقلاب نہیں لایا جاسکتا۔'' انہوں نے اس بیان کی مزید شرح کرتے ہوئے سومنات کا حوالہ دیا کہ ''ہم نے ابھی کئی سومنات گرانے ہیں'' یعنی جس طرح سلطان محمود غزنوی نے افغانستان سے آکر ہندوستان میں ہندوؤں کے سومنات مسمار کئے اور یہاں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اسی طرح ہمیں بھی پاکستان کے موجودہ نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل کرنے کیلئے قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے سومنات مسمار کرنے ہوں گے..... ہمارا دین مار دھاڑ اور قتل وغارت گری پر نہ صرف یقین نہیں رکھتا بلکہ اس کی شدید مذمت کرتا ہے۔ رہا جہاد فی سبیل اللہ کا تصور تو اس کی شرائط، قوانین اور مختلف صورتیں معروف ہیں اور ہر پڑھا لکھا شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ نے خواہ مخواہ تلوار کا استعمال دشمنوں کیلئے بھی سخت ناپسند فرمایا ہے۔ چہ جائیکہ مسلمانوں کیلئے قتال کی ترغیب دی جائے۔.....

معاشرے میں قتال فی سبیل اللہ کی دعوت فساد فی الارض کی دعوت ہے۔ قتال کے ذریعے حکومتوں کے تختے اُلٹنے کا کام تو طالبان کا فلسفہ ہے اور حال ہی میں عراق اور شام کو دولت اسلامیہ بنانے کیلئے ''داعش'' نے یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان موت کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جس کی مذمت اس بار خطبہ حج میں بھی ضروری سمجھی گئی اور انہیں خوارج العصر قرار دیا گیا۔ خدارا اسلام کی تعلیمات امن ومحبت کے فلسفے کو سمجھیں۔ صوفیائے اسلام کی خدمت کے منہج اور دوررس نتائج واثرات کو بھی دیکھیں اور جہاد وقتال کے فتوے لگا کر ''اسلامی انقلاب'' بپا کرنے والوں کے اثرات اور ردعمل بھی ملاحظہ کریں۔ آج پوری دنیا میں مسلمان اور دہشت گرد لازم وملزوم ہوگئے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ مسلمانوں نے خود اپنی حرکتوں سے غیروں کو یہ کہنے کا موقع دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ عظیم اول اور دوم میں بھی ملت اسلامیہ کا اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا گزشتہ چند عشروں میں دہشت گردی کا لیبل لگنے سے ہوا..... ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہماری مذہبی قیادت بھی انہی رہنماؤں کی طرح قول وفعل کے گہرے تضاد کا شکار ہے۔ (نوائے وقت 27 نومبر 2014ء)

جذبہ تشکر

طیبہ ضیاء چیمہ اپنے کالم مکتوب امریکہ میں لکھتی ہیں:

ہند کے مسلمانوں کے شعور اور جدوجہد مسلسل سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ مگر پاکستان کے مسلمانوں نے اس ملک کی قدر کو محسوس نہ کیا۔ بقول اقبال

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

بنی اسرائیل نے فرعون سے آزادی ملنے کے بعد سونے کے بچھڑے کی پوجا شروع کردی تھی اور رب کی بندگی کو فراموش کردیا تھا۔ ہند کے مسلمانوں نے آزادی کی نعمت ملنے کے بعد اس کی قدر نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں اور من مانیاں شروع کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کی یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا ''ذرا یاد کرو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا۔ تم خود اس پر گواہ ہو۔ مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو۔'' پاکستان کی موجودہ صورتحال پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہے۔ پاکستان قدرتی آفات کا شکار ہے، طوفان ہیں، اور کہیں خشک سالی، کبھی کبھی زلزلے اور بیماریاں اور دہشت گردی ہے۔

(نوائے وقت 28 نومبر 2014 آرڈیننس 1984)

ایم اے سلہری اپنے کالم ایوان عدل میں تحریر کرتے ہیں:

آرڈیننس 1984ء کے ذریعے دفعہ 298B کا اضافہ کیا گیا جس کی رو سے قادیانی یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھنے والے احمدیوں کو خلفاء صحابہ کرام کے علاوہ کسی کو امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ عنہ کہنے، ام المومنین کے سوا کسی کو یہ القاب دینے، اہل بیت کے سوا کسی اور کو اہل بیت کہنے اور اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنے، اور انہیں اپنی عبادت گاہ میں عبادت کیلئے بلاوے کو اذان قرار دینے کو جرم قرار دیدیا گیا جس کی سزا تین سال قید اور جرمانہ مقرر کردی گئی۔ تعزیرات پاکستان میں دفعہ 298C کا اضافہ کرکے احمدیوں کو اپنے آپ کو مسلمان، اپنے عقیدے کو اسلام کہنے اور اپنے عقیدے میں آنے کی دعوت دینے کی سزا، تین سال قید اور جرمانہ مقرر کی گئی۔ عقائد میں واضح فرق کے اعتبار سے ایسا اس لئے ضروری تھا کہ کوئی اپنے غیر اسلامی عقائد کو اسلام میں گڈمڈ کرکے ابہام پیدا کرنیکی جرأت نہ

کرسکے۔ ایکٹ تھرڈ 1986ء کا اضافہ کر دیا گیا۔ جس کی کے ذریعے دفعہ 295C کا اضافہ کر دیا گیا جس کی رو سے توہین رسالت مآب کرنے کی سزا موت، عمر قید اور جرمانہ مقرر کی گئی۔ (نوائے وقت 12 نومبر 2014ء)

ہمارا نظام حکومت

نظامی صاحب اپنے کالم منظرنامہ میں لکھتے ہیں:

کانگرس میں شامل مسلمان جن کی قیادت مولانا ابوالکلام آزاد کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کے سیاسی نظریے کے خلاف تھے اور متحدہ ہندوستانی نیشنلزم کے حامی تھے۔ جمعیت العلمائے ہند کا بڑا حصہ جو مذہبی سکالروں پر مشتمل تھا قیام پاکستان کے خلاف تھا......قیام پاکستان کے کٹر مخالف علماء میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی شامل تھے۔ جمعیت العلمائے ہند کے دو جریدوں مدینہ (بجنور) اور الجمعیت (دہلی) نے کانگرس کا مقدمہ لڑا۔ ایک مستند رپورٹ کے مطابق مولانا کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے قائداعظم سے پاکستان کا مقدمہ لڑنے کیلئے چندہ طلب کیا اور قائداعظم کے انکار پر وہ کانگرس کے اتحادی بن گئے۔ مجلس احرار اسلام نے عطاء اللہ شاہ بخاری اور چوہدری افضل حق کی قیادت میں مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ مجلس احرار ہندوستان کی آزادی اور اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جدوجہد کر رہی تھی اس نے کانگرس کا ساتھ دیا۔ خدائی خدمتگار (ریڈ شرٹ) جو خان عبدالغفار خان خیبر پختونخواہ میں بااثر تھے اور مہاتما گاندھی سے متاثر تھے۔ قیام پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ خان عبدالغفار خان کو ''سرحدی گاندھی'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

علامہ عنایت اللہ مشرقی کی سربراہی میں قائم کی گئی خاکسار تحریک بھی مسلم لیگ کی نظریاتی مخالف تھی ...خاکسار تحریک کے ترجمان جریدے الاصلاح (لاہور) نے پنجاب میں مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ جماعت اسلامی جس کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھے دو قومی نظریے کے حامی تھے مگر مسلم لیگ کے مخالف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلم لیگ کی قیادت اسلامی ریاست قائم نہیں کر سکے گی۔ پنجاب میں یونینیسٹ پارٹی جس پر ہندو اور مسلمان جاگیرداروں کی بالادستی تھی مسلم لیگ کی مخالف تھی۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد جماعت تھی جو قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں مخالفین کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی۔......قیام پاکستان کے بعد قائداعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے انہوں نے لیاقت علی خان کے مشورے سے پہلی کابینہ نامزد کی جو صرف اور صرف میرٹ پر کی گئی۔ پاکستان کی پہلی کابینہ میں نامور سیاستدان اور ٹیکنو کریٹ شامل تھے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان (وزیراعظم، دفاع، خارجہ تعلقات، دولت مشترکہ) آئی آئی چندریگر (تجارت، صنعت ورکس)، غلام محمد (خزانہ) سردار عبدالرب نشتر (مواصلات)، غضنفر علی خان (خوراک، زراعت، صحت) جوگندر ناتھ منڈل (قانون، محنت) فضل الرحمٰن (داخلہ تعلیم، اطلاعات) سر ظفر اللہ خان پاکستان (امور خارجہ) خواجہ شہاب الدین (داخلہ) کی پہلی کابینہ مختصر تھی جس میں نیک نام، تجربہ کار اور اہل شخصیات کو شامل کیا گیا۔ کابینہ کے وزیر نظریاتی تھے ان کا مشن ایک جمہوری اور فلاحی ریاست کی تشکیل تھا۔ کابینہ نے متفقہ قرارداد منظور کر کے گورنر جنرل پاکستان کو اختیار دیا کہ وہ کابینہ کے فیصلوں کی حتمی منظوری دیں......قائداعظم کے ان بنیادی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کی ریاست کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہمارا نظام حکومت قائداعظم کے نظریات اور تحریک پاکستان کی روح سے کھلا انحراف ہے۔

(نوائے وقت نومبر 2014ء)

اے ساریا! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا

رانا حسین احمد اعوان لکھتے ہیں:

(حضرت عمرؓ) ایک مرتبہ جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اچانک آپ نے خطبہ کے دوران فرمایا اے ساریا! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا۔ اے ساریا پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا۔ صحابہ کرامؓ بڑے حیران تھے کچھ عرصہ بعد حضرت ساریا جہاد سے واپس لوٹے تو صحابہؓ نے اس واقعہ کی بابت دریافت فرمایا۔ حضرت ساریا نے فرمایا کہ میں مدینہ سے کوئی سو میل دور مصروف جہاد تھا کہ جمعۃ المبارک کی نماز کے وقت مجھے آواز سنائی دی کہ ساریا پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا، میں نے آواز سن کر اپنا لشکر پہاڑ کی اوٹ میں کر لیا۔ اسی اثناء میں دشمن پیچھے سے اچانک حملہ کرنے کیلئے تیار تھا مگر اس کی تدبیر ناکام ہو گئی اور خداوند کریم نے مسلمان لشکر کو فتح نصیب فرمائی۔ یہ تھی وہ قوت ایمان جو اگر حاصل ہو جائے تو قیصر و کسریٰ قدموں میں آ جاتے ہیں اور مشرق و مغرب سرنگوں ہو کر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ (نوائے وقت 26 اکتوبر 2014ء)

اخلاق عالیہ

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ہندو لیڈروں کا خراج عقیدت

ایک ہندو لالہ بشن داس رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ:

''وحدانیت کا ننھا سا بیج عرب کے ریگستان میں ایسا بویا گیا کہ بجائے پانی کے اپنے خون جگر سے ایسا سینچا کہ آج وہ ایک تن آور درخت ہو گیا ہے اس کی شاخیں چاردانگ عالم میں پھیل چکی ہیں اور کروڑوں اس کے سایہ میں بیٹھ کر ایک سچے خدا کی عبادت کی نہایت ہی لذیذ پھل کھا رہے ہیں جس عزت و توقیر اور مان عزت تعظم و

تکریم صدق ارادت اور پریمکے ساتھ خاتم الانبیاء محمد صاحب کا نام لیا جاتا ہے کسی دیگر پیغمر پیرولی گورورشی نبی کا ہرگز نہیں لیا جاتا جو اخوت پیغمبر اسلام نے قائم کی کوئی نہیں کر سکا۔جس مضبوط چٹان پر اسلام کی بنیاد حضرت ممدوح (ﷺ) نے رکھی ہے وہ کسی کو ملا ہے اور نہ مل سکے گا یہ ساری باتیں اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ کہ حضرت محمد صاحب غیر معمولی طاقتوں والے غیر معمولی انسان تھے اور نوع انسان کی اصلاح کے لئے خدا کے فرستادہ تھے۔'' (اخبار زمیندار بحوالہ روزنامہ الفضل 21 نومبر 2015ء)

روحانی قوت

رسالہ ست اُپدیش کے ایڈیٹر لکھتے ہیں۔اگر اسلام کی اشاعت ظلم کے ذریعہ ہوئی ہوتی تو آج اسلام کا نام ونشان بھی نہ رہتا۔لیکن نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام دن بدن ترقی کر رہا ہے کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کے بانی ﷺ کے اندر روحانی شکتی تھی۔منش ماتر (بنی نوع انسان) کے لئے پریم تھا۔اس کے اندر محبت اور رحم کا پاک جذبہ کام کر رہا تھا نیک خیالات اس کی رہنمائی کرتے تھے۔

(رسالہ ست اپدیش لاہور 7 جولائی 1915ء)

غیر متزلزل ایمان

مشہور ہندو لیڈر گاندھی جی نے اخبار YOUNG INDIA میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھا:

''کئی بار رسالت مآب ﷺ نے اپنی جان مبارک خطرہ میں ڈالی۔لیکن آپ کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہایت قوی اور غیر متزلزل اور انمٹ تھا۔بیشمار مصائب اور بے حد تکالیف پر بھی اللہ آپ ﷺ ہشاش بشاش رہتے تھے۔کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ خدائے عزوجل آپ کا معاون تھا۔اور آپ نیابت حق کا فرض ادا کر رہے ہیں۔اگر آنحضرت ﷺ کے متبعین اپنے آقائے محترم کے جذبہ ایثار اور قوت ایمان کا نصف بھی اپنے اندر پیدا کرلیں تو پھر مسلمانوں کی قوت مخالفوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مساوی ہوجائے گی۔ (روزنامہ الفضل 21 نومبر 2015ء)

(37) كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا (بیہقی عن انس)

ترجمہ: قریب ہے کہ غریبی کفر ہوجائے۔

(38) السَّفْرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ (بخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ)

ترجمہ: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

(39) اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ (ابوداؤد احمد عن جابر بن عبداللہ)

ترجمہ: مجالس امانت کے ساتھ وابستہ ہے۔

(40) خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى (بخاری عن ابن عباس)

ترجمہ: بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔

جستہ جستہ - عاصی صحرائی

۱۔صرف گرلز کی پوسٹ پر کمنٹس کرنے والو یاد رکھنا جنازے کے ساتھ عورتیں نہیں جاتیں۔

۲۔دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی بکھری ہوئی ذات کو سمیٹنا ہے۔

۳۔ہر انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔اگر اُسے سمجھنا ہے تو اسے بولنے دو۔

۴۔کچھ لوگوں کے ساتھ عمر بھر رہ لو، لمحے بھر کے لئے بھی یاد نہیں آئیں گے۔کچھ لوگوں کے ساتھ ایک لمحہ ہی گزار لو ساری عمر یاد آتے رہیں گے۔دل بھی عجب شے ہے عرصے کو نہیں رویے کو یاد رکھتا ہے۔

۵۔ضمیر کی عدالت میں ضرور جایئے کیونکہ وہاں غلط فیصلے نہیں ہوتے اور نہ ہی وکلاء کی فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔

۶۔دوسروں کو جھوٹا، گھٹیا اور نیچ ثابت کرنے سے آج تک کوئی عظیم نہیں بن سکا۔کسی کا پردہ رکھنے میں ہی عظمت اور بڑائی ہے۔

۷۔اتنی محنت سے کپڑے دھو کر رسی پر ڈال کر مڑی ہی تھی کہا یک دم سے رسی ٹوٹی اور کپڑے نیچے گر گئے۔بہت غصہ آیا، لیکن پھر خیال آیا کہ جب ہم اللہ کی رسی کو چھوڑتے ہیں تو ایسے ہی گرتے ہیں اور گندے ہوجاتے ہیں۔

۸۔پاکستان میں ایک ایسی قسم کا شیر پایا جاتا ہے۔جو مادرِ وطن کے جسم سے گوشت خود نوچتا ہے، ہڈیاں میڈیا کے آگے ڈال دیتا ہے، اور چھیچھڑے درباریوں کو کھلا دیتا ہے۔

۹۔جس طرح گدھے پر تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہوجاتا ٹھیک اسی طرح ''آف شور کمپنیاں'' ''الحمدللہ'' کہنے سے پاک نہیں ہوجاتیں۔

۱۰۔زمین عقلمندوں سے بھر گئی مگر دردمندوں سے خالی ہے۔

۱۱۔جتنا نقصان اسلام کو فضل الرحمن نے پہنچایا اتنا کسی دشمنِ اسلام نے بھی نہیں پہنچایا ہوگا۔مولانا فضل الرحمن اس ملک کی سیاست میں گالی بن چکا ہے۔شیخ رشید۔

۱۲۔جتنا خرچ ہر چینل ٹی وی افطار ٹرانسمیشن پر کرتا ہے اگر یہی غرباء پر کیا جائے تو کوئی بھی بھوکا نہ رہے۔

۱۳۔جب یہ مشکل میں ہوتے ہیں تو ہمارے پاؤں پکڑتے ہیں جب مشکل سے نکل جاتے ہیں تو پھر ہمارا گلا پکڑتے ہیں۔بلاول زرداری بھٹو۔

۱۴۔شیزان بولی: مجھے کچھ مسلمان پسند نہیں کرتے کیونکہ میں قادیانی پراڈکٹ ہوں۔

۱۵۔پیپسی بولی: مجھے بھی کچھ مسلمان پسند نہیں کرتے کیونکہ میں یہودی پراڈکٹ ہوں۔ایک جوس کا ڈبہ بولا: دوستو! مجھے بھی کچھ مسلمان پسند نہیں کرتے کیونکہ میں شیعہ پراڈکٹ ہوں۔

ان سب کی آپس میں باتیں جاری تھیں کہ پاس والے ڈبے میں پڑی شراب کی بوتل بولی: مجھے مسلمان پیتے ہوئے نہیں پوچھتے کہ میرا مذہب کیا ہے اس لئے میرا استعمال بہت ہے۔اگر میں نہ بھی دستیاب ہوں تو لوگ اپنے ممالک میں کچی پکی بنا ہی لیتے ہیں۔

۱۶۔شادی کیا ہوتی ہے؟؟؟یہ سمجھنے کے لئے ایک سائنسدان نے شادی کر لی۔۔۔اب اس کو سمجھ نہیں آ رہا کہ سائنس کیا ہوتی ہے۔

۱۷۔مورّخ جب بھی ہماری تاریخ لکھے۔تو الفاظ ضائع نہ کرے۔بس اتنا لکھ دی ''گھر جل رہا تھا اور مکین کافر کافر کھیل رہے تھے۔''

۱۸۔برطانوی سیاستدان جسٹین گرینگ نے اسلام آباد میں سیاستدانوں کو کہا۔پنجاب ہائر ایجوکیشن بجٹ میں آپ نے ساڑھے تین کروڑ پاؤنڈ غائب کئے۔''تمہاری عزت لباس تمہارا کلف زدہ ہے،انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں ہیں،پیجارو پر آپ سوار ہیں،مگر مانگ آپ بھیک رہے ہیں۔ماں گداگری کر رہی ہے،صاحبزادہ گھوڑوں کے سودے کر رہا ہے کشکول توڑنے کے آپ نے وعدے تو کئے تھے مگر جب بھیک مانگ کر مزے اُڑانے کی لت پڑ جائے تو کشکول کون توڑتا ہے۔

غزل- طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا

داستانِ عشق رہ جائے مبادا مختصر
اے جنوں رکھنا خرد سے استفادہ مختصر

خود زمانہ ہی کرے گا اس کی تشریحیں کبھی
لکھ رہا ہوں اک صحیفہ بالارادہ مختصر

چودھویں کی رات وہ لمحہ وصالِ یار کا
اس گھڑی مجھ کو لگا تھا چاند آدھا مختصر

ہوش اتنا تو رہے تجھ سے نہ ہٹ پائے نظر
آج رکھنا ساقیا سامانِ بادہ مختصر

اس دفعہ بھی مصلحت آمیز اُس نے خط لکھا
معذرت تفصیل سے ہے اور وعدہ مختصر

جاگتی آنکھیں لئے آخر کنہیّا سو گیا
رات لمبی تھی مگر تھا رقصِ رادھا مختصر

ہے غنیمت تا قیامت خیر و شر کا سلسلہ
ورنہ ہوتی داستاں آدم کی سادہ ، مختصر

اس خرابے میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے؟
ہو چلا ہے آدمیت کا لبادہ مختصر

پایۂ تکمیل کو پہنچا نہ میں ، پہنچا نہ تُو
چھوڑ کر دونوں چلے ہیں خود کو آدھا مختصر

کٹ گیا پل بھر میں طارقؔ زندگی کا یہ سفر
تیز رو رخشِ عمر تھا اور جادہ مختصر

معروف شاعر و ادیب اور ایک عظیم دانشور ماہر تعلیم
سابق چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور
محترم راجہ غالب احمد صاحب وفات پا گئے

اُردو کے معروف احمدی شاعر ادیب ،دانشور،ماہر تعلیم اور پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے سابق چیئرمین مکرم راجہ غالب احمد صاحب آف لاہور 4 جون 2016 کو صبح 4 بجے ICMH لاہور میں وفات پا گئے۔محترم راجہ غالب احمد صاحب گجرات شہر میں 17 اگست 1928ء کو پیدا ہوئے۔آپ کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب تھے۔آپ نے سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے میٹرک،گورنمنٹ کالج لاہور سے فرسٹ کلاس میں سائیکالوجی میں ماسٹرز کیا اور لڑکوں میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔محترم راجہ غالب احمد صاحب بحیثیت شاعر،دانشور،ماہر تعلیم اور اُردو ادب کے ناقد،ملک کے مقتدر علمی اور ادبی حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے اور پہچانے جاتے رہے۔

ملکی اور بین الاقوامی جرائد میں ان کی نظمیں اور تحریریں اُردو اور انگریزی میں بھی شائع ہوتی رہیں۔ان کا اردو و انگریزی ادب و شاعری سے پختہ تعلق نصف صدی سے زائد عرصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ان کی کتب تشدد کا تاریخی پس منظر،راحت گمنام اور رخت ہنر نے قبولیت عامہ کی سند حاصل کی۔ان کے ماسٹرز کا تحقیقی مقالہ History of Circumcision گورنمنٹ کالج لاہور نے کتابی صورت میں شائع کیا تھا۔آپ نے آغاز میں پاکستان ائیر فورس ملازمت کی۔محکمہ تعلیم پنجاب کو 1962ء میں جوائن کیا اور تقریباً تمام کلیدی عہدوں پر فائز رہے جن میں سیکرٹری اور کنٹرولر بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ میں ایجوکیشن پنجاب،چیئرمین بورڈ آف سیکنڈری انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سرگودھا،چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ اور مشیر تعلیم حکومت پنجاب نمایاں ہیں۔

آپ کے گورنمنٹ کالج لاہور کے کلاس فیلوز اور رفقاء کار میں حنیف رامے،احمد ندیم قاسمی ،انتظار حسین ،منو بھائی ،شہزاد احمد،مظفر علی سید،صوفی تبسم ، ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر اجمل قابل ذکر ہیں۔آپ کی جماعتی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے۔جماعت احمدیہ ضلع لاہور میں آپ جنرل سیکرٹری ،سیکرٹری تعلیم اور کئی عہدوں پر خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔1974ء کے بعد کئی بار آپ کو بطور ترجمان جماعت احمدیہ پریس کانفرنسیں،پریسریلیز اور بیانات جاری کرنے،خطوط لکھنے، اخبارات کو وضاحتی بیان دینے کا موقع ملا۔آپ 1992ء تا 1997ء ڈائریکٹر فضل عمر فاؤنڈیشن، 1974ء تا 1985ء ڈائریکٹر وقف جدید،اور اس کے علاوہ نائب صدر ناصر فاؤنڈیشن بھی رہے۔

غالب خستہ کے بغیر- ڈاکٹر پرویز پروازی

راجہ غالب احمد بھی گئے۔ ان کے ساتھ گورنمنٹ کالج کے قیام پاکستان کی اسی روایت دم توڑ گئی۔ صوفی تبسم مرحوم کی سرپرستی میں گورنمنٹ کالج کے نوجوان دانشوروں کی جس جماعت نے ادبی حلقوں سے اپنا لوہا منوایا تھا۔ ان میں مظفر علی سید، غالب احمد اور انور غالب تھیں۔ حنیف رامے اور شاہین حنیف رامے تھیں۔ غالب احمد مظفر علی سید کے ساتھ ایئر فورس میں چلے گئے اور مدتوں اپنے نام کے ساتھ لیفٹیننٹ غالب احمد لکھتے رہے۔ حنیف رامے سیاست میں آ کر خوار ہوئے اور اپنی رہی سہی عزت بھی گنوا بیٹھے۔ غالب احمد غالباً اس گروپ کے آخری آدمی تھے وہ بھی راہی ملک عدم ہوئے۔ جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے۔ جاوید شاہین نے اپنی خودنوشت ''میرے ماہ وسال'' لے کر مزے لے کر صوفی صاحب اور ان کے پروردہ نوجوانوں کے گروپ اور ان کی صوفی صاحب کی سرپرستی میں ہونے والی ''زائد نصاب'' سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہمارا غالب کا تعارف اس زمانہ میں ہوا جب وہ لاہور کے سکینڈری ایجوکیشن بورڈ کے کنٹرول امتحانات بن کر لاہور آ گئے۔ ہمیں کسی میٹنگ میں شرکت کرنا تھا جس کی صدارت غالب کر رہے تھے۔ ملاقات ہوئی تو کہنے لگے میں بھی تعلیم السلام کالج کا اولڈ اسٹوڈنٹ ہوں۔ بس باہمی اشتراک نے ہمیں ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ غالب احمد سرگودھا آ گئے تو ربوہ سے قربت کی وجہ سے ان کا ربوہ آنا جانا بھی بڑھ گیا اور ہماری ملاقاتیں بھی بڑھ گئیں۔ ہمارا کالج ادبی سرگرمیوں کی وجہ سے سارے ملک میں ممتاز تھا۔

ہر مہینے بلکہ ہر ہفتے کوئی نہ کوئی ادبی تقریب برپا ہوتی تھی۔ سرگودھے کے دیگر ادبا کی طرح غالب احمد شرکت کرتے۔ دسمبر میں جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا کرتا تھا۔ میں اپنے گھر پر اس موقعہ پر ایک مشاعرہ منعقد کیا کرتا تھا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے شعرا شرکت کرتے تھے۔ ایسے ایک مشاعرہ کا واقعہ ہے کہ میری ہمشیرہ نسبتی (اب ڈاکٹر امۃ النصیر) جس کی عمر اس وقت کوئی دس برس ہوگی۔ بڑھ چڑھ کر مشاعرے کے انتظامات میں حصہ لے رہی تھی کیونکہ اُس نے سنا تھا کہ غالب بھی مشاعرے میں شرکت کر رہے ہیں۔ جب شعرا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور مشاعرہ شروع ہوا تو دروازے سے لگ کر بیٹھ گئی اور غور سے مشاعرہ سننے لگی۔ غالب احمد کی باری آئی۔ اس نے ان کا کلام سنا اور اپنی بہن یعنی میری بیوی سے کہنے لگی ''ہائے اللہ یہ غالب نے داڑھی کیوں اُتروا دی۔ تصویر میں تو بہت خوبصورت لگتا تھا۔'' وہ غالب احمد کو مرزا غالب سمجھ بیٹھی تھی۔ ہم نے غالب احمد کو یہ بات سنائی۔ غالباً اس کے بعد غالب احمد نے بھی داڑھی چھوڑ دی مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ انتظار حسین نے اپنی خودنوشت ''چراغوں کا دھواں'' میں لکھا ہے ''بھٹو صاحب ویسے تو بہت دانا و بینا تھے مگر اسلام کا علَم بلند کرتے وقت اس نکتہ کو فراموش کر گئے۔ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا اقدام، جمعہ کی چھٹی، گھڑ دوڑ، پابندی شراب پر پابندی مگر عجب ہوا کہ ایسے کام سرانجام دینے کے باوجود ان کی مسلمانی مشکوک رہی۔ ہاں یہ جو احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا اقدام تھا اس کا تھوڑا اثر ہماری دوستیوں پر بھی پڑا۔ غالب احمد کو کب کا مسلمان سمجھتا چلا آ رہا تھا اچانک پتہ چلا کہ وہ تو غیر مسلم ہے مجھے تو خیر جانے دو ہمارے دوستوں کے حلقہ میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تو اپنے شیخ صلاح الدین چلے آ رہے تھے۔ ان کے دو ہی محبوب موضوعات تھے۔ وقت کا مسئلہ اور اسلام۔ انہوں نے اسلام کے بیچ سے یہ کیسا فلسفہ کشید کر کے ہمارے ذہن نشین کیا تھا مگر حیف کے غالب احمد کی مسلمانی ان کی نظروں سے اوجھل رہی۔ اس کے انکشاف کی سعادت ہمارے سیکولر رہنما ذوالفقار علی بھٹو کو حاصل ہوئی۔ خیر دوستی تو نبھانی تھی۔ کتنے زمانے سے اس یار سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس دن میں نے سوچا آئینی دوستی کا تقاضہ ہے اب جب کہ دوست مسلم سے غیر مسلم بن گیا ہے تو اس حادثے پر اس کے ساتھ جا کر اظہار ہمدردی کیا جائے یا تعزیت کی جائے۔ میرے ہوتے ہوئے میرے سوا دو دوسرا دوست تعزیت کرنے آیا تھا وہ حیات احمد خان تھا۔'' (چراغوں کا دھواں صفحہ 264-265) پھر انتظار حسین نے اپنی دوسری خودنوشت ''جستجو کیا ہے'' میں لکھا ہے ''ان خوابوں نے یا اس خواب نے ان دنوں جا کر رنگ پکڑ لیا جب میں لاہور میں رَچ بس چکا تھا اور چھوڑی ہوئی بستی خواب خیال ہو چکی تھی۔ ناصر کاظمی کے ساتھ جو شب و روز بسر ہوئے یہ ان کا فیض تھا۔ ان دنوں ناصر کے نہیں یاروں کی پوری منڈلی کے ساتھ اس شہر میں اتنا گھوما۔ گلی گلی کوچہ کوچہ سڑک سڑک سمجھ بیٹھا کہ ناصر کے ساتھ میں بھی اس شہر کا رُوڑا بن چکا ہوں۔ سو اب اپنی چھوڑی ہوئی بستی کی گلیاں کوچے کم کم یاد آتے تھے۔ مگر خوابوں میں تو اب وہ زیادہ ہی آنے لگے تھے شاید انہوں نے لاہور کے گلی کوچوں میں رَچتا بستا دیکھ کر میرے بیدار شعور سے پسپا ہو کر میرے خوابوں میں پناہ لے لی تھی۔ شاید میرے اندر چھپ کر وہ بیٹھ گئے تھے اور مجھے نیند میں غافل پا کر مجھے یاد دلانے آتے تھے کہ نیا دیار نئے کوچے برحق مگر ہم بھی یہیں کہیں تمہاری یادوں میں شاد آباد ہیں۔ وہ راتیں بھی خوب تھیں۔ گھومتے پھرتے رات زیادہ ہو جاتی تھی تو کوئی یہ سوچ کر کہ گھر دور ہے ہمارے رات کے کسی ہمسفر کے ہمراہ اس کے گھر جا پسارتا۔ کسی ایسی ہی شب گھڑی میں غالب میرے ٹھکانے پر آ گیا۔ تنہائی میں دل کی باتیں کہنے کا موقعہ ملا۔ تو میں نے سوچا غالب کا مضمون نفسیات ہے اسے اپنے خوابوں کی نوعیت بتائی۔ سوچا کہ وہ اس کی معنویت پر بھی کچھ روشنی ڈالے گا مگر اس نے کچھ اور ہی بات کی۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے ایک اور سوال کر ڈالا ''تم نے کافکا کا ناول کیسل پڑھا ہے؟'' ''نہیں'' میں نے کہا ''بس میں نے اس کا ایک ہی ناول پڑھا ہے ٹرائل اور کچھ کہانیاں۔'' ''اس ناول کو پڑھ لو'' میں نے اس مشورہ کی وضاحت چاہی جواب دیا ''بس تم ناول پڑھ لو۔'' ... پڑھا... میں حیران کی میں ناول پڑ رہا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں ارے یہ تو میں خود اپنے خوابوں کے بیچ بھٹک رہا ہوں۔'' (جستجو کیا ہے صفحہ 18.17) غالب احمد ادب کے میدان میں اتنے مصروف نہیں رہے جتنی ان کی بیگم انور غالب رہیں۔ انور نثری نظم کی جدید ترین نظم کی ایک لحاظ سے بانی تھیں مگر اپنی گوشہ نشینی کی وجہ سے کم ہی سامنے آتی تھیں۔ غالب

خودبھی پختہ کار غزل گو تھے مگران کا رجحان بھی چھپنے کی طرف نہیں تھا دونوں کا مجموعہ کلام چھپا ہوتو میرے علم میں نہیں۔ ہاں غالب احمد کی ادبی بصیرت کا ایک منظر میرا آنکھوں دیکھا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب تخلیقی عمل چھپی تو ادبی حلقوں مین دھوم مچ گئی مگر کہیں کہیں سے اس کتاب کے مندرجات پر تنقید و تنقیص کی آوازیں بھی اٹھیں۔کشور ناہید نے اپنے دولت خانہ پر ایک ادبی مکالمہ کا اہتمام کیا۔آغا صاحب سرگودھا سے پروفیسر غلام جیلانی اصغر کو ربوہ سے اور مجھ جیسے ہیچ مداں کو لے کر لاہور آئے۔ہم کشور ناہید کے ہاں حاضر ہوئے۔کشور نے لاہور سے جناب جیلانی کامران اور غالب احمد کو مدعو کر رکھا تھا۔ ایسی مکالماتی نشست میں نے اپنے زندگی میں پہلی بار دیکھی جس میں مدعوئین نے ایک دوسرے کے نظریات اور خیالات پورے تحمل اور بردباری سے سنے ہوں اور حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہو۔چار پانچ گھنٹے تک یہ نشست جاری رہی غالباً کشور ناہید نے اسے ریکارڈ بھی کیا تھا۔شاید اس کی روداد کہیں چھپی ہو مگر میرے علم میں نہیں۔اس نشست میں غالب احمد نے جس بالغ نظری سے کتاب کے مالہ اور ماعلیہ پر بحث کی تھی وہ ادب میں یادگار رہنے والی چیز ہے۔اس نشست میں شامل ہونے والے ہر شخص نے غالب احمد کو داد دی اور وہ حسب طبعیت سر جھکائے بیٹھے رہے۔غالب احمد سرگودھا بورڈ کے چیئر مین بنے وہاں سے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئر مین بن کر پھر لاہور آ گئے پھر جائنٹ سیکریٹری ایجوکیشن کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور وہیں سے وظیفہ یاب ہوئے۔وظیفہ یابی کے بعد سارا وقت جماعت احمدیہ لاہور کے ترجمان رہے۔ 28 مئی کے حادثہ کے بعد جس میں لاہور کی احمدیہ مساجد پر حملے کر کے کوئی سو کے قریب احمدیوں کو شہید کیا گیا تھا یہ کام بڑی ذمہ داری کا تھا اور راجہ غالب احمد نے اس کام کو خوب نبھایا۔پچھلے دو تین برسوں سے ان کی طبیعت ناساز تھی۔خاص طور پر انور غالب کی وفات کے بعد تو بہت ہی اُداس اور پریشان رہنے لگے تھے۔پچھلے جمعہ کو لاہور میں داعی اَجل کو لبیک کہا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔آمین۔راجہ غالب کا شعری مجموعہ ’’رخت ہنر‘‘ کے نام سے نیاز مانہ پبلیکشنز لاہور پاکستان سے شائع ہوا تھا۔اس کی تقریب رونمائی میں انتظار حسین نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔

آسٹریلیا

(ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا)

عموماً یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ آسٹریلیا کو سب سے پہلے برطانوی کپتان جیمز کک (Captain James Cook) نے 1770 میں ’’دریافت‘‘ کیا تھا حالانکہ اس سے کہیں قبل پرتگالی،فرانسیسی اور ولندیزی ((Dutch مہم جو اس براعظم میں اپنے قدم رکھے تھے لیکن نامساعد حالات نے انہیں یہاں سے رخصت ہوجانے پر مجبور کردیا،اور پھر ان سے بھی کئی سو برس قبل انڈونیشیا کے مسلمان تاجروں کی آسٹریلیا میں آمدورفت کے ٹھوس شواہد بھی موجود پائے گئے ہیں جو جدید محققین کے مطابق سن 1500ء سے ہی اس براعظم سے نہ صرف واقف تھے بلکہ یہاں کے مقامی باشندوں کے ساتھ تجارتی اور معاشرتی تعلقات بھی استوار کر چکے تھے۔ یہ تعلقات شمالی آسٹریلیا کے ساحلوں میں پائے جانے والے کھیرا نما سمندری جانور(Sea Cucumber) کی وجہ سے شروع ہوئے تھے جس کی یہاں مخصوص مہینوں میں بہتات ہوتی ہے اور جس کی چین میں بے تحاشا مانگ ہوتی تھی چنانچہ انڈونیشیا کے مسلمان تاجر جو ماضی کی ایک مشہور تجارتی بندرگاہ کے حوالے سے Macassans کہلاتے ہیں، ہر سال شمالی آسٹریلیا کا رخ کرتے اور بھاری مقدار میں یہاں سے یہ ’’سمندری کھیرے‘‘ پہلے انڈونیشیا اور پھر وہاں سے چین برآمد کر کے کثیر زرمبادلہ کماتے۔ مقامی باشندوں کی نسل در نسل مروی تاریخ اور میلبورن کی Monash یونیورسٹی کے ایک محقق John Bradley کے مطابق ان مسلمان تاجروں نے شمالی آسٹریلیا کے قدیم مقامی (Aborigines) باشندوں سے برابری کی سطح پر اور دو طرفہ لین دین کی بنیاد پر یہ تجارتی تعلقات قائم اور استوار کئے تھے اور سفید فام غیر مسلم اقوام کے برعکس ان کی طرف سے کسی استعمار،استحصال یا نسل کشی جیسے گھناؤنے جرائم کے ارتکاب کی روایات یا شواہد موجود نہیں۔(بی بی سی نیوز اشاعت 24/جون 2014ء زیر عنوان ’’When did Islam came to Australia‘‘)۔

اسلامی تصور توحید،کچھ عربی الفاظ،بادبانی کشتیوں اور دستکاریوں کے علاوہ انڈونیشیا کے ان مسلمان تاجروں کی ایک یادگار شمالی آسٹریلیا میں پائے جانے والے املی (Tamarindus Indica) کے سینکڑوں برس پرانے درخت بھی ہیں جو انہوں نے پہلی مرتبہ اس براعظم میں متعارف کروائے۔ یہاں کے شمال مغربی علاقہ جات املی کے ان قدیم سدا بہار درختوں کے لئے مشہور ہیں۔اِملی طویل سمندری سفروں میں متلی کے لئے بھی مفید ہوتی تھی اور ملاحوں اور مچھیروں میں وٹامن سی اور زِنک (Zinc) کی کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی جلدی اور اندرونی بیماریوں (مثلاً Scurvy) کیلئے بھی اَمرت دھارا تھی۔اس کا گودا چٹنی کے طور پر،تو پانی ہیضہ کی صورت میں جسم میں نمکیات اور شکر کی کمی پورا کرنے کا کام کرتا۔املی آغاز حمل کی متلی میں بھی مؤثر ہوتی ہے اور اس میں پائی جانیوالی فولک ایسڈ جنین کے اعصابی نظام کی افزائش کرتی ہے۔آج کل فولک ایسڈ حمل کے پہلے تین مہینوں میں لازماً استعمال کروائی جاتی ہے۔امریکہ میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق املی کے سو گرام گودے میں وٹامن سی کے علاوہ ملٹی وٹامن (بی کمپلیکس، vitamin ,A,E,K وغیرہ)،معدنیات (فولاد،کیلشیم،زِنک،سیلینیم،فاسفورس،میگنیشیم)اور نمکیات (سوڈیم،پوٹاشیم) بھی موجود ہوتے ہیں۔املی کی گھٹلیوں سے ایسا تیل بھی کشید کیا جاتا ہے جو خشک آنکھوں کی جلن دور کرتا ہے۔آنکھوں کی ٹھنڈک،جسم کی طاقت اور زبان کی لذت کا سامان کرنے کے علاوہ املی کا چھتنا ور درخت اس زمانہ میں آسٹریلیا کی تپتی دوپہروں میں اپنے گھنے سایہ تلے غریب الوطن اور مقامی مسافروں کو ٹھنڈی چھاؤں بھی فراہم کرتا ہوگا،بقول شاعر ؎

بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے۔
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے !

بزمِ قندیل شعروسخن وانڈزورتھ کے زیر اہتمام

طفیل عامر کی کتاب ''دستک سے تھکے ہاتھ'' کی رُونمائی اور

عیدملن مشاعرہ

مورخہ 10 جولائی 2016

بروز اتوار بوقت 4 بجے بعد دوپہر بمقام

QUEEN ELIZBERH HOUSE SW12 8 LZ 99 NIGHTINGALE LANE, BALHAM

جس کے متعلق ادباء وشعراء

آدم چغتائی۔اقبال مجیدی۔امجد مرزا امجد۔

عاصی صحرائی اظہارِ خیال فرمائیں گے

سب احباب سے درخواست ہے کہ بروقت تشریف لائیں اور مشاعرے کو رونق بخشیں۔

برطانیہ کے مشہور شعراء شرکت کررہے ہیں۔آدم چغتائی۔سوہن راہی۔اقبال مجیدی۔مبارک صدیقی۔ساجد محمود رانا۔نورالجمیل نجمی۔اطیب جاذل۔ایوب اولیاء۔عاصی صحرائی۔ڈاکٹر رحیم اللہ شاد۔ڈاکٹر جمال سوری۔عابدہ لعل۔حمیدہ معین رضوی۔کوثر علی۔نیلم جوگن۔نکہت افتخار۔قمر مجتبیٰ قریشی۔ڈاکٹر صوفیہ۔ عذرا ناز۔فرحانہ غزالی۔راجہ محمد الیاس۔ثروت اقبال۔ریاست رضوی۔محمود علی محمود۔مظفر احمد مظفر۔ رانا ساجد محمود۔طفیل عامر سندھو۔ڈاکٹر نجیب۔سید نصیر احمد شاہ۔امجد مرزا امجد۔غالب ماجدی۔

چشم براہ

سردار فضل عمر ڈوگر، رانا ساجد محمود، رمضان شائق، قدیر کوکب، طفیل عامر سندھو،

واحد اللہ جاوید۔وحید اختر۔عبدالرحیم احمد۔سید حسن خان، رانا عطاء اللہ، منظور ریحان، محمد ابراہیم

عابد، اشرف خاکی، قاضی عبدالرشید، رانا بلال افتخار، آصف چغتائی، خالد چغتائی،

صدر:۔ بزم قندیلِ شعروسخن رانا عبدالرزاق خان ادیب وکالم نگار

ایڈیٹر۔ ماہنامہ قندیلِ اَدب انٹرنیشنل لندن برطانیہ